نایاب جیلانی

کالی چوڑیاں

لینڈ کروزر بے حد عالی شان سے "احلاء ہاؤس" کے سامنے رک چکی تھی۔ ڈرائیور نے نیچے اتر کر بیک ڈور کھول دیا۔

"مائی! تم ادھر ہی رکو، میں ابھی آتی ہوں۔" وہ خسروی کو ہدایات دے کر وسیع و عریض کوٹھی کے شاندار سے بیرونی گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔

"بی بی کہاں ہیں...؟" اس نے سامنے سے آتی ملازمہ سے پوچھا۔ جو کہ پرام میں ایک صحت مند خوب صورت بچے کو بٹھائے شاید باہر لے کر جانے لگی تھی۔ وہ بے اختیار جھک کر بچے کے رخسار چومنے لگی۔ ملازمہ کی ہمراہی میں وہ ڈرائنگ روم تک پہنچ چکی تھی۔ ابھی وہ خاتون خانہ کی نفاست اور سلیقے کو دل ہی دل میں سراہتے ہوئے اٹھنے ہی لگی تھی جب احلاء آبنوسی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

"تم..." اندر آتی احلاء کو گویا یقین نہیں آیا تھا' اسے دیکھ کر کہ وہ یہاں بھی پہنچ سکتی ہے۔

"ہاں... میں' کچھ مانگنے آئی ہوں۔ کیا دینے کا ظرف اور حوصلہ ہے؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جھکی جھکی آنکھوں سے کہا۔

"کیا مانگنے آئی ہو۔" احلاء نے سنبھل کر بڑی حلاوت سے پوچھا۔

"کسی کے لیے معافی۔" اس نے ذرا سا نظر اٹھا کر مقابل بیٹھی عورت کی طرف دیکھا پھر دوبارہ سے اپنے ہاتھوں پر نظریں ٹکا دیں۔

"اس سے کہہ دینا۔ میں کب کا اسے معاف کر چکی ہوں۔"

مکمل ناول

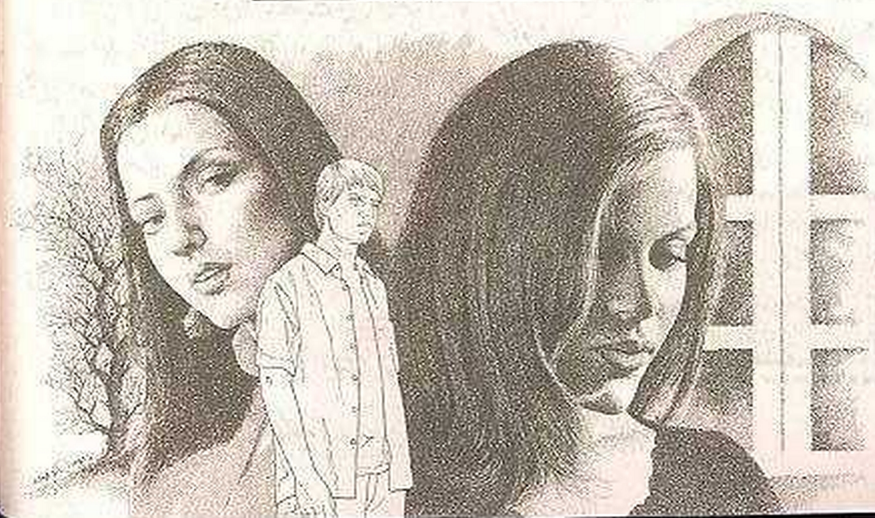

www.pkdigest.com

"تم... تم سچ کہہ رہی ہو۔" وہ بے یقینی سے بولی۔ خوشی اس کی آنکھوں سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اسی پل ڈرائنگ روم کا پھر سے دروازہ کھلا اور کوئی دبے قدموں سے اندر چلا آیا۔ صوفے پر بیٹھی وہ لڑکی سرعت سے اٹھی اور اس بلا کے پُرکشش مرد کے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اطلاع حیران تھی۔ وہ مرد بھی حیران تھا۔ اور یہ بھوری آنکھوں والی لڑکی کہہ رہی تھی۔

"لالہ! میں نشق ہوں' آپ کی حقیقی بہن۔ زوار شاہ کی بیٹی۔ لالہ مجھے پہچانیے۔"

☆ ☆ ☆

ٹینس گراؤنڈ سے ڈیفنس کے ڈی بلاک تک آتے ہوئے وہ پسینے میں تقریباً نہا چکی تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ریکٹ تھا۔ جبکہ بائیں ہاتھ میں گیند تھی۔ غیر شعوری طور پر وہ گیند کو ہوا میں اچھال کر کیچ کرنے کا شغل جاری رکھے تیز قدموں سے چل رہی تھی۔

جوں ہی اس نے ٹرن لیا گویا اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے اپنے قدموں کی رفتار مزید بڑھا دی۔ آج تو وہ ہر ممکن طریقے سے "مقتضیٰ" تک پہنچنا چاہتی تھی۔

یہ ڈیفنس کے ای بلاک کی رہائشی کالونی تھی۔ سیاہ سڑک کے دائیں بائیں جدید طرز پر بنی وسیع و عریض عالی شان کوٹھیاں' بڑے بڑے ہرے بھرے لان۔ خوشنما پھولوں اور لدی پھندی چمکیلی بیلوں سے ڈھکے ہوئے۔

یہ گرمیوں کی سلونی شام کا دل فریب منظر تھا۔ آج دوپہر کو بھرپور نیند لینے کے بعد وہ کلب چلی گئی تھی۔ اسپورٹس سے اسے بے حد لگاؤ تھا۔

وہ ٹینس گراؤنڈ سے اپنی ہی دھن میں باہر نکل رہی تھی' جب اس نے مقتضیٰ شاہ کو جم کی عمارت سے نکلتے دیکھا۔ اس کے وجود میں گردش کرتے لہو میں لہریں سی اٹھنے لگیں۔ پورے دو مہینے ہو گئے تھے نشق جہانگیر کو اس کے معمولات کا جائزہ لیتے ہوئے۔ وہ اسے پہلی نظر میں بہت اچھا لگا اور دل کے بہت ہی قریب محسوس ہوا تھا یوں کہ دھڑکنوں نے سُر اور راگ بدل لیے تھے۔ اپنے دل پر وارد ہوتی اس انوکھی' گدگدانے والی ایوین کیفیت نے نشق کو کچھ نئے رنگوں اور خوابوں سے آشنا کر دیا تھا۔

"نشق لاج" ڈی بلاک کے اختتام اور ای بلاک کی شروعات میں دور سے ہی دیکھنے والوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا تھا۔ اس کے برابر میں فرح آنٹی کا گھر تھا اور مقتضیٰ فرح آنٹی کی انیکسی میں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہ رہا تھا۔

نشق تقریباً" بھاگتے ہوئے پھولی سانسوں سمیت پلاننگ کے عین مطابق مقتضیٰ کے فولادی' لمبے چوڑے وجود سے ٹکرا گئی۔

تھی تو یہ کافی گھٹیا حرکت مگر نشق مقتضیٰ کو متوجہ کرنے کے لیے اتنے کم عرصے میں کچھ ڈھنگ کا طریقہ نہیں سوچ پائی تھی۔ مقتضیٰ کے اونچے' مضبوط وجود کو تو محض ذرا سا جھٹکا ہی لگا تھا البتہ نشق نہ صرف لہراتے ہوئے اپنی ننھی سی ناک دبا کر چیختے ہوئے زمین پر گر گئی تھی۔ ابھی وہ سنبھل بھی نہیں پائی تھی' جب مقتضیٰ کی چنگھاڑتی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"آر یو میڈ...؟"

نشق نے آنسو بھری آنکھوں سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ وہ اس کے قریب ہی گھٹنوں کے بل بیٹھا خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا۔

"کس قدر روڈ آدمی ہے یہ... میری ہیلپ کی بجائے اپنی سبز آنکھوں سے گھور رہا ہے۔ اونہہ... میں خود ہی اٹھ جاتی ہوں۔"

اس کی دونوں ہتھیلیوں سے خون رس رہا تھا۔ نشق نے اپنی پنک شرٹ (جس پر آئی لو جنیوا لکھا ہوا تھا) سے دونوں ہتھیلیاں رگڑ کر صاف کیں۔ اسی اثنا میں اس کے مقابل بیٹھا وجود کھڑا ہو چکا تھا اور بڑبڑاتے ہوئے پلٹ رہا تھا۔ لمحے کے ہزارویں حصے

میں نشق اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی اور پھر بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے آئی۔

"ہائے مقتضیٰ! رکو تو..." مقتضیٰ نے کچھ حیرانی کے عالم میں اس اجنبی... لڑکی کی طرف دیکھا۔ نشق اب اس کے قریب پہنچ چکی تھی۔

"کیسے ہو مقتضیٰ؟" نشق بہت ہی دوستانہ لب و لہجے میں اس سے حال چال دریافت کرنے لگی تھی۔ نشق کا انداز اس قسم کا تھا گویا کہ ان کی برسوں پرانی شناسائی ہو۔

"مقتضیٰ!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"یہ مجھے کیسے جانتی ہے؟" وہ خشمگیں نظروں سے نشق کو گھورنے لگا۔ جس کی اس نے قطعاً" پروا نہیں کی۔

"ایسے کیوں گھور رہے ہو؟ حال چال ہی پوچھا ہے۔" نشق نے اپنی وائٹ کاٹن کی لائننگ والی پینٹ کی پاکٹ سے ٹشو نکال کر ہتھیلیاں صاف کرتے ہوئے لاپروائی سے کہا اور وہ ایک ایک قدم مقتضیٰ کے برابر اٹھا رہی تھی۔

"اے لڑکی! کہاں گھس رہی ہو۔" وہ نشق کو انیکسی کے گیٹ میں گھستا دیکھ کر چلایا۔ اپنی دھن میں مگن وہ نہ صرف گیٹ دھکیل چکی تھی' بلکہ بہت دیدہ دلیری سے ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے انیکسی کے لان کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"کون ہو تم؟ کیا کرنے آئی ہو؟" اس کی توقع کے عین مطابق وہ چنگھاڑتا ہوا سیدھا ادھر ہی آیا تھا۔ اس کے آنے تک نشق اطمینان سے ایک چیئر گھسیٹ کر بیٹھ چکی تھی۔

"پہلے لیمن جوس پلواؤ۔ پھر اس معمولی سے سوال کا جواب دوں گی۔ آج تو خوب ہی گرمی تھی اوپر سے اس ایکسیڈنٹ نے حشر کر دیا ہے۔" اب وہ جھک کر اپنے جاگرز کے لیس کھول رہی تھی۔

"میں پوچھ رہا ہوں کون ہو تم؟ میرا نام کیسے جانتی ہو؟" مقتضیٰ کی آنکھوں میں اب حیرت کی جگہ صرف الجھن تھی۔

"میرا نام نشق ہے۔ نشق جہانگیر۔ یہ برابر میں میرا گھر ہے۔" اس کی نظریں دائیں جانب قدرے اوپر کو اٹھی تھیں۔ سامنے کھڑکی سے تو وہ مقتضیٰ کو پسروں دیکھا کرتی تھی۔

"مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ پلیز پانی تو منگوا دو' کیسے میزبان ہو۔"

"احمق سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے' فٹافٹ اٹھو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ یک دم دہاڑا۔ نشق پر قطعاً" اس کے دہاڑنے کا اثر نہیں ہوا تھا۔ سو اطمینان سے پاؤں جھلاتی رہی۔

"جم کے علاوہ اور کیا مصروفیت ہے؟" گداز سفید ملائم پیروں کو مخملی گھاس پر ہولے ہولے مارتے ہوئے بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا گیا۔

"دیکھو لڑکی! میں اس قسم کی بے تکلفی پسند نہیں کرتا۔ گٹ آؤٹ فوراً" سے پیشتر چلی جاؤ۔"

"نہ میں آپ کی اجازت سے آئی تھی نہ آپ کے غصہ کرنے سے جاؤں گی یہ خوشی پھنکارتے' دہاڑتے رہیے۔" وہ مزے سے بولی۔

"اور ہاں' میرا نام نشق ہے۔ نشق جہانگیر' پہلے بھی غالباً" بتا چکی ہوں۔ ویسے مجھے نشا' نشی' نشو کہہ کر بلایا جاتا ہے۔ آپ بھی شوق سے میرا نک نیم میں سے کوئی ایک سلیکٹ کر لیجیے۔"

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ یکدم دہاڑا۔

"نشا آپی!" تب ہی ڈرائیوے پر بھاگتی دو گیارہ بارہ سالہ لڑکیاں خوشی سے چیختی ہوئی ان تک پہنچیں۔

"آپ کب آئی ہیں سونیٹرز لینڈ سے؟" یہ دونوں فرح آنٹی کی بیٹیاں آبگینے اور روشانے تھیں۔ ان دونوں سے چھوٹا زین تھا۔

"کیا لائی ہیں آپ ہمارے لیے؟" دونوں کی آنکھوں میں حد درجہ اشتیاق تھا۔

"کینڈیز' چاکلیٹس اور ڈھیر ساری پارٹیز۔" اس نے ان دونوں کو کافی ناراضی سے دیکھا تھا گویا اس لمحے

www.pkdigest.com

ان کی انٹری اسے سخت بری لگی تھی۔

"تھینک یو آپی! تھینک یو سو مچ۔" دونوں والہانہ انداز میں اس سے لپٹ گئیں۔

"یہ بتائیں کہ ہمیں مس کیا تھا۔" روشانے نے چہکتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہاں بہت مس کیا تھا۔ لانگ ڈرائیو کرتے ہوئے تم دونوں کو ہی تو یاد کرتا تھا نا!" وہ جل بھن کر کہہ رہی تھی اور اب وہ دونوں مقتفیٰ شاہ سے اس کا تعارف کروا رہی تھیں۔

"بھیا! یہ نشا آپی ہیں۔ جہانگیر انکل کی بیٹی۔ وہ جو پاپا کے بزنس پارٹنر ہیں۔"

✿ ✿ ✿

تاحد نگاہ اناج کی فصل پر "آگ برساتا" شاہ خاور خوشے میں موجود بیج کو تراوٹ بخش رہا تھا۔ مئی کے ابتدائی ایام تھے۔ ملتان کی سرزمین لو کے تھپیڑوں کی زد میں تھی۔ آگ اگلتا سورج اور کھیتوں میں پسینے سے شرابور محنت کش مگر آج دور دور تک سناٹا تھا۔ خاموشی تھی۔ کھیت کھلیان خالی تھے۔

آج جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ خیرپور کے گدی نشین سید پیر شاہ ابوالحسن محمد خیط الابیض کے "قصر مقتفیٰ" سے بیس میل دور سید معصوم شاہ کے دربار اقدس کی بارہ دری میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ پیر شاہ کی بھاری دلنشین آواز ہوا کے دوش پر لہراتی ہوئی "قصر مقتفیٰ" تک بھی پہنچ رہی تھی۔ جب ہی تو زنان خانے کی تمام خادمائیں اور قابل احترام معزز خواتین تمام کام چھوڑ کر پیر شاہ کا خطبہ اور وعظ سن رہی تھیں۔

ربیع الاول کے حوالے سے ان کے اس وعظ نے دلوں کو موم کی طرح پگھلا دیا تھا۔ اسی لیے تو آنکھوں سے سیل رواں جاری تھا۔ ہر دل پر رقت طاری تھی۔

"دشت نوردوں کو دیا تو نے شکوہ قیصری۔" ان کی آواز پر آنسوؤں کی آمیزش غالب آنے لگی تھی۔ انہوں نے فارسی میں ایک شعر پڑھا۔ اب وہ وعظ کر رہے تھے۔

مدنی شاہ کی دوسری بیوی حجت بی بی جنہیں سب وڈیری اماں کہتے تھے، اپنا "سجبہ" سنبھالتی کھڑی ہوگئی تھیں۔ ان کی پیروی میں مدنی شاہ کی تیسری بیوی مہربانو بھی اٹھ گئیں۔ مفرح اور مشوار دونوں ہی شان بے نیازی سے دائیں بائیں دیکھے بغیر سرمئی پتھریلی روش پر چلنے لگی تھیں، جب ایک دم ہی مفرح نے غیر ارادی نگاہ وسیع و عریض احاطے پر ڈالی۔ دیواروں کے ساتھ لگے اونچے اونچے درختوں کے سائے بڑھنے لگے تھے۔

وہیں پر بیٹھی ارد گرد سے بے نیاز گہری سوچ میں گم اعلاء کو دیکھ کر مفرح کے قدم رک گئے۔ کچھ سوچ کر وہ دوبارہ پلٹ آئی تھی۔ اعلاء اسے آتا دیکھ کر چونک کر سیدھی ہوئی۔

"اعلاء! اندر نہیں چلوگی؟"

"نہیں۔" اس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

"کیوں؟"

"میری مرضی۔"

"تمہاری ناراضی مکھن بھایا سے ہے؟" مفرح کا انداز سراسر جتانے والا تھا۔ اعلاء کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ نے جھلک دکھائی۔

"میں کیا اور میری مجال کیا۔"

"ہم سب کا اس تمام معاملے میں کیا قصور نکلتا ہے۔" مفرح عادت کے مطابق فوراً برا مان گئی تھی۔

"تم کچھ نہیں جانتیں۔" وہ بے بسی سے لب بھینچ کر خاموش ہوگئی۔

"میں کچھ جاننا بھی نہیں چاہتی۔ چلو اندر آؤ۔" مفرح اسے دالان کے بائیں جانب بنے چھوٹے سے تین کمروں پر مشتمل مکان کی طرف بڑھتا دیکھتی رہی۔

"قصر مقتفیٰ" دس کینال پر مشتمل سنگ مرمر سے سجا معماروں کی محنت اور ذہانت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ چار منزلہ قصر مقتفیٰ کے کئی حصے تھے۔

جیکب آباد کا پجاری پریم چند ڈنڈوت

جو کہ سترہ سال قبل اسلام قبول کرنے کے بعد سید معصوم شاہ کی بستی میں چلا آیا تھا، اور جسے پیر شاہ نے درویش بابا کا نام دیا تھا۔ سترہ سال پہلے پریم چند اپنی پانچ سالہ بچی آوتھن کے ہمراہ معصوم شاہ کے مزار پر آبیٹھا تھا۔ وہ جون کی ایک سلگتی دوپہر تھی، جب رب کریم نے جیکب آباد کے پجاری پر اپنا کرم فرمایا تھا۔ اس پر عنایت ہوئی تھی پھر ہدایت کے جگنو کو مٹھی میں مقید کرتا وہ بت آگے روشنیوں کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ اس کی بچی آوتھن کو پیر شاہ نے اعلاء کا نام دیا اور "قصر مقتفیٰ" کے دروازے ان کے لیے کھول دیے تھے۔

اعلاء کے بابا درویش سائیں دربار کے "سدلہ" تھے۔ یعنی نگران، نگہبان، دربان وغیرہ، وہیں بارہ دری کے برابر حجرے میں پیر شاہ کے ساتھ ان کا قیام تھا۔ رات کے دوسرے پہر ان کی واپسی ہوتی تھی۔

کالی شام سی آنکھوں والی سانولی سلونی سی اعلاء کے لیے کب مکھن شاہ کے دل میں کچھ اور جذبوں نے کروٹ لی کوئی جان ہی نہ سکا اور جب بات "قصر مقتفیٰ" کی معزز عورتوں کے کانوں میں پڑی گویا ایک لرزا دینے والا بھونچال آگیا۔

"کی ویکھ کے پتر گل کیتی۔ اپنے شجرہ نسب کو نظر مار کے ویکھ۔ سید زادے اپنا "نسب" تے "نسل" نو داغ نئیں لاندے۔ تیری وڈیری ماں دا "ساہ" رک گیا اے۔"

وڈیری اماں کی پیشانی سچ مچ عرق آلود ہوگئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی سفید موتیوں کی تسبیح انہوں نے تخت پر رکھ دی تھی اور خود جائے نماز لپیٹ کر اٹھ گئیں۔

"مکھن! تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟" اماں (مہربانو) کی آواز بھی گویا پھٹ گئی۔ بات ہی کچھ ایسی تھی۔ ادھر مفرح اور مشوار بھی حق دق رہ گئی تھیں۔

"اعلاء اور مکھن بھایا کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" مشوار نے تنفر سے سوچا۔

"میں اعلاء کو اپنانا چاہتا ہوں۔ شادی کروں گا اس سے۔" مکھن شاہ کی آواز سے "قصر مقتفیٰ" کی دیواریں لرز لرز اٹھیں۔

"مکھن! اماں صدقے جاوے، فیر تیرے منہ سے یہ بات نہ سنوں۔" وڈیری اماں جواباً تحکم بھرے لہجے میں بولیں۔

"میں اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتا۔"

"تمہیں اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا۔" مہربانو نے گرج کر کہا۔ "محل میں نالی کی اینٹ بدوضع لگے گی۔"

"یہ آپ کی محدود سوچ کی سراسر اختراع ہے۔" اس کی آنکھوں میں ناگواری کے سائے واضح تھے۔

"وہ بے دین گھرانے کی معمولی سی چھوکری۔" مہربانو اپنی تمام تر شائستگی کا چولا اتار کر پھنکاری تھیں۔ اس وقت وہ گورنمنٹ کالج کی پوزیشن ہولڈر کی بجائے ایک اجڈ اور بدزبان خاتون نظر آرہی

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

بساطِ دل
آمنہ ریاض
قیمت --- /500 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار کراچی۔ فون نمبر: 32735021

www.pkdigest.com

تھیں۔

"آپ سب کے لیے وہ معمولی ہو سکتی ہے مگر میرے لیے نہیں۔"

"میرے چن، میرے شہزادے! تو جس کی طرف اشارہ کرے میں سو بسم اللہ پڑھ کر اسے تیری دوہٹی بنا لاؤں گی۔ پر درویش سائیں کی دھی کا نام مت زبان پر لاتا۔"

وڈیری ماں نے گویا وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا۔ اب وہ عطردان کو کھولے خوشبو کی بوتل نکال رہی تھیں۔ خوشبو کی بوتل کا جوں ہی منہ کھلا مقتضیٰ شاہ نے ناک دبالی۔

"اتنے امپورٹڈ پرفیوم لا کر دیتا ہوں آپ کو مگر آپ بھی حد کرتی ہیں۔ دھنیے کا تیل اور یہ عطر کی بو۔ طبیعت بے زار ہو گئی ہے۔" وہ جو اچھی خوشبو کا دیوانہ تھا۔ ایک دم ہی ناگواری سے سر جھٹکتا باہر نکلتا چلا گیا تھا اور ادھر وڈیری اماں اپنی سوکن سے حیرت بھری پریشانی سے کہنے لگیں۔

"اتنی عمدہ اور اعلا سوچوں کا ہمارا پتر کالی شام کے سحر میں گرفتار ہو گیا ہے۔ اگر دل ہی دینا تھا تو کسی نکمو والی کو دیتا۔" باغ میں کھڑی احلاء نے ان کا لفظ لفظ غور سے سنا تھا اور دل میں غصے کا الاؤ بھڑکائے پلٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

پیر شاہ کی اولاد میں دو بیٹے اور ایک بیٹی شامل تھی۔ سب سے بڑے مدنی شاہ تھے۔ اسلامیہ کالج کے تعلیم یافتہ، بہت ہی نیک طبیعت اور سلجھی سوچ کے حامل۔ ان کی شادی پیر شاہ کی سگی بھانجی خضریٰ سے ہوئی تھی۔

پیر شاہ کے دوسرے بیٹے زوار شاہ نے دورانِ تعلیم ایک ضخیم نامی اسٹیج ڈانسر سے نکاح کر لیا تھا۔ اس جرم کے بدلے میں پیر شاہ نے بیٹے کو اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے عاق کر دیا تھا۔

ادھر خضریٰ کے ہاں چار سال بعد بہت ہی منتوں اور مرادوں کے بعد مکھنی یعنی مقتضیٰ شاہ کی ولادت ہوئی تھی۔ صحیح معنوں میں پیر شاہ نے اپنے اس پوتے کا جشن پورے سات دن تک منایا تھا۔ خضریٰ کی ساس نور النساء نے کون سا ایسا در تھا، جہاں حاضری نہیں دی تھی۔ ڈاکٹروں، حکیموں کے علاوہ پیروں فقیروں کے آستانوں پر دھکے کھاتی رہی تھیں۔ کبھی کبھی بہت جلال کے عالم میں شوہر سے الجھ پڑتیں۔

"سارے جہاں کے لوگ دعائیں لینے آتے ہیں۔ کبھی لختِ جگر کے لیے بھی ہاتھ اٹھا لیا کریں۔"

"جھلی نہ ہو تو۔" پیر شاہ مسکرا دیتے تھے اور پھر دل ہی دل میں نور النساء سے مخاطب ہو کر کہتے۔

"میری ساری دعائیں اپنے بیٹے کے نام۔ اللہ سائیں نے چاہا تو اس کے آنگن میں پھول ہی پھول کھلیں گے۔" اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشا تھا۔ اور ادھر نور النساء حضرت سید شاہ ولی کے مزار مسجد حزب الاحناف سلام کی غرض سے جا پہنچی تھیں۔ حضرت مکھن شاہ کے مزار کمبواں چاہ میراں سے واپسی پر ایک بوڑھا فقیر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ انہوں نے مٹھی بھر روپے فقیر کی جھولی میں ڈالے تو وہ فقیر بلند آواز میں چیخا۔

"نہ زر کی چاہ، نہ زن کی چاہ۔" وہ ایک کیفیت میں تھے۔

"بابا جی! ساری زر بے کار ہے۔ فضول ہے، جب پیر شاہ کی نسل ہی آگے نہیں بڑھے گی۔" وہ رونے لگیں۔

"کاہے کو روتی ہے کملی دھی! پیر شاہ کی جاگیروں کا وارث آنے والا ہے۔ سید مقتضیٰ تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ دل کا چین، مکھنی شاہ۔ بہت سوہنا ہو گا۔ بڑا سجیلا ہو گا۔"

وہ گھنگرو بجاتے کسی اور سمت نکل گئے تھے اور نور النساء نے گویا ان کی تمام باتیں گرہ سے باندھ لیں۔ مقتضیٰ شاہ نے آنکھیں کھولی تھیں اور دادی گلابی کمبل میں لپٹے نومولود پر سو جان سے قربان ہو گئیں۔ ہری آنکھیں، بالکل کانچ سی اور مکھن جیسی سفید رنگت والا ان کا یہ پوتا پورے قصر مقتضیٰ والوں کے

لیے "مکھنی شاہ" تھا۔ ان کے پیارے پوتے کا لاڈ کا نام گویا اس کی پہچان بن گیا تھا۔

اس کی پیدائش کے تیسرے مہینے خضریٰ معمولی سے بخار میں مبتلا اچانک انتقال کر گئی تھیں۔

ان ہی دنوں پیر شاہ کے وفادار ملازم نے ایک بھولی بسری یاد کو تازہ کر دیا تھا۔ زوار شاہ بھی ایک بیٹے کا باپ بن چکا تھا۔ جسے اپنے پردادا کا نام دیا گیا۔ حدی کی پیدائش کے بعد زوار شاہ ایک دن اپنے باپ کے پاس آیا۔ وہ بہت بیمار اور کمزور ہو رہا تھا اور باپ سے اپنی گستاخیوں اور نافرمانیوں کی معافی طلب کر رہا تھا۔ پھر کچھ عرصے بعد اس نے اپنے بیٹے کو خیر پور بھجوا دیا۔ اور خود نہ جانے زمانے کی بھیڑ میں کہاں گم ہو گیا، کچھ عرصے تک اس کے مرنے کی اطلاع پہنچ گئی تھی۔ نور النساء بیٹے کو تو معاف کر چکی تھیں البتہ حدی کے لیے ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ حدی کے لیے ایک آیا کا انتظام کر دیا گیا تھا، جس کا نام خسرو بی تھا اور یہ حویلی کی خاص ملازمہ تھی۔

پیر شاہ خضریٰ کی وفات کے بعد اپنی بھتیجی حجت بی بی کو بیاہ لائے تھے۔ حجت بی بی کے ہاں مقارب اور صفیت پیدا ہوئے تھے۔ ان دنوں نور النساء کی بھانجی مہرانو کا منگیتر بیرونِ ملک ایک حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔ اور سید خاندان کے لیے یہ صدمہ کسی پہاڑ سے کم نہ تھا۔

ان لوگوں نے بیٹیوں کا تارک بٹھانے کی رسم کا خاتمہ کر دیا تھا۔ مگر وہ اپنی بیٹیاں غیر خاندان میں بیاہنے کے لیے خود کو مجبور نہیں کر سکے تھے۔ سو اکلوتے خاندان کے مرد کو دو تین شادیوں کی عام اجازت تھی۔ اسی لیے نور النساء کی بھانجی اور حجت بی بی کی کزن مہرانو کا نکاح بغیر کسی اختلافی مسئلے کے مدنی شاہ کے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ مہرانو کی دو بیٹیاں مفرح اور مشوار تھیں اور سب سے چھوٹا حجت بی بی کا مقسط تھا۔

پیر شاہ کی بیٹی ہزیرہ فاطمہ اپنی اکلوتی بیٹی عشنا اور بیٹے امان کے ہمراہ بیوگی کے بعد "قصر مقتضیٰ" میں رہائش پذیر تھیں۔ امان، مشوار کا منگیتر ان دنوں تعلیم کی غرض سے سویڈن میں مقیم تھا۔

باغ کے دائیں جانب وسیع رقبہ میں کچی زمین کو وڈیری اماں کی خواہش پر خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان کی خاص ملازمہ دھوری عصر کے بعد ٹھنڈے پانی کا چھڑکاؤ کر کے ترتیب سے چارپائیاں بچھا دیتی تھی۔ وڈیری اماں کا تخت باڑے کے سامنے رکھا تھا۔ پورب کی طرف سے آتی ہوا چنبیلی کی مہک کو ہمراہ لے آتی تھی۔ مٹی کی نم نم سوندھی خوشبو اور تازہ پھولوں کی دلفریب مہک سرشاری سی بھر دیتی تھی۔ اور مقتضیٰ کو تو وڈیری اماں کے تخت پر لیٹنا بہت پسند تھا۔

"اماں! آپ کے تخت پر لیٹتے ہی میٹھی نیند کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔" وہ ان کی گود میں سر رکھے لیٹ گیا تھا۔ وڈیری اماں کے نرم ہاتھ اس کے بالوں میں چلنے لگے۔

"دھوری! او دھوری۔" وڈیری اماں کی گرج دار آواز سن کر رمزی نہ جانے کس کونے سے برآمد ہو کر دوڑتی ہوئی چلی آئی۔

"دھوری کدھر کو ہے؟"

رمزی نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

"تندور میں بالن ڈال رہی تھی۔"

"چل جا اندر سے ناریل لا کر دے۔ سائیں کے سر میں مالش کروں گی۔"

"اماں! مجھے یہ سرسوں، ناریل اور بادام کے تیل سے محفوظ رکھو۔" مقتضیٰ بدک کر دور ہٹا تھا۔

"سائیں! تیرے کو بڑی میٹھی نیند آئے گی۔"

وڈیری اماں نے گویا اسے لالچ دینا چاہا۔

"نا اماں! میں ایسی میٹھی نیند سے پناہ مانگتا ہوں۔ جو میرے دماغ میں ناگوار بو کو گھسا دے۔" وہ تنک کر ناگواری سے بولا۔ اس پل تازہ دودھ کا جگ لاتی احلاء کی پیشانی شکن آلود ہوتی چلی گئی تھی۔

"او نہہ، تیل کی بو ناگوار گزرتی ہے اور "شراب" کی بوتلوں کے جام بھر بھر کر پیتے ہیں۔ چھی تھو۔" اس کا جی ایک دم متلانے لگا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے تک وہ صرف اتنا ہی جانتی تھی کہ

www.pkdigest.com

مقتفیٰ صرف سگریٹ پیتا ہے مگر چمن (ملازمہ) نے اس کی اس غلط فہمی کو بھی دور کر دیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب مقتفیٰ یونیورسٹی کے آخری سال میں تھا۔ چمن اور اس کے میاں نواب کو پیر شاہ نے حاکم دین (خانساماں) کے بیمار ہونے کے بعد شہر روانہ کیا تھا۔ تاکہ پوتے کو کھانے پینے کے سلسلے میں تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔

"توبہ توبہ سائیں کے یار دلدار۔ ولایتی شروب پانی کی طرح پیتے ہیں۔ دوپہر کے کھانے کے ساتھ رات کے کھانے کے ساتھ۔ یہ بڑی بڑی بوتلیں میز پر بجی ہوتی ہیں۔" چمن نے شہر سے آکر بتائی تھی۔ یہ بات وہ کسی اور کے سامنے تو کر نہیں سکتی تھی۔ اطلاع سے بہترین نا کوئی سامع تھا اور نہ ہی کوئی راز پوشیدہ رکھنے والا تھا۔ اور اطلاع نے خود ہی فرض کر لیا تھا کہ یقیناً" مقتفیٰ بھی اتنا پارسا تو ہرگز نہیں ہوگا۔ انسان اپنے سنگی ساتھیوں کی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔

"تیرے پیروں کو زمین نے پکڑ لیا ہے؟" وڈیری اماں نے اسے سوچوں میں گم کھڑے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔

"نہ۔۔۔ نہیں وڈیری اماں!" وہ ہکلا کر آگے بڑھی تھی پھر اس ٹرے کو تخت پر رکھ دیا۔ اس کھنکھناتی بجاتی مدھر آواز نے مقتفیٰ کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔

"کیا لائی ہے؟"

"دودھ۔"

"ری کملی اس وقت دودھ نہیں پیتا۔" وڈیری اماں نے ناگواری سے گویا اسے یاد دلانا چاہا۔

"وڈیری اماں! یہ دودھ کا جگ مردانے میں بھجوانا ہے۔ حدی سائیں کے دوست آئے ہیں۔"

"حدی کب آیا ہے؟" مقتفیٰ نے چونک کر پوچھا۔ اب وہ بغور اطلاع کو دیکھ رہا تھا۔ سلونی شام کا تمام تر حسن سمیٹے وہ قدرے دور کھڑی تھی اور کس قدر اپنی اپنی لگ رہی تھی۔

"وڈیرکو۔"

"میں حدی سے مل کر آتا ہوں۔" وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"نواب زادہ خود آکر نہیں مل سکتا تو کیوں قدم بوسی کے لیے جا رہا ہے۔" وڈیری اماں کو مقتفیٰ کا حدی کے ساتھ التفات ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

"ابھی وہ دوستوں میں مصروف ہے پھر رات کو میں واپس چلا جاؤں گا۔" جاتے جاتے اس نے پلٹ کر بتایا۔

"تو صرف شکل دکھانے آتا ہے وڈیری اماں کو۔" وہ ناراضی سے گویا ہوئی تھیں۔

مقارب اور مقسط پاکستان ملٹری اکیڈمی ایبٹ آباد میں زیر تعلیم تھے۔ مقارب پاس آؤٹ کے بعد سیکنڈ ٹائم میں ای ایم ایس کر رہا تھا۔ انسٹی ٹیوٹ آف بزنس مینجمنٹ سے مقیت تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ حدی نے ایگریکلچر یونیورسٹی فیصل آباد سے اپنا ماسٹرز مکمل کرنے کے بعد مدنی شاہ کی دونوں ملیں شوگر اور فلور کا تمام تر انتظام سنبھال رکھا تھا۔ اب اس کے پاس فرصت کے لمحات بہت کم ہوتے تھے اور وہ بہت مطمئن تھا کہ حویلی کی عورتوں کی زہریلی نظروں سے اب کبھی کبھی ہی سامنا ہوتا تھا۔

"اماں! شہر میں چھوٹی مما کو ورزش بھی کروانا ہے۔" وہ مڑنے لگا تھا پھر کچھ سوچ کر اطلاع کو مخاطب کر کے بولا۔

"لاؤ ادھر دو۔ میں لے جاتا ہوں۔"

"نہ سائیں! تو کیوں سینی اٹھا کر جائے گا مردانے میں، یہ خسروی کہاں مر گئی ہے۔" وڈیری اماں کو گویا شاک لگا تھا۔ انہوں نے بلند آواز میں خسروی کو پکارا اور زبردستی سینی مقتفیٰ کے ہاتھ سے پکڑ لی۔

"اچھا اماں! اللہ حافظ۔" وہ ان کے سامنے پیار لینے کو جھکا تھا۔

"رب راکھا میرے سوہنے پتر کا۔ خیر نال جا۔" وڈیری اماں نے بے اختیار اس کی پیشانی کو بوسہ دیا تھا۔

"مسوت کے بیٹے سے اتنی محبت اور وہ جو حدی ہے وہ بھی تو آپ کا ہی خون ہے۔ ایک تعلق تو آپ کا اس کے ساتھ بھی ہے۔ ماں نہ سہی تائی ماں کا پیار ہی دے دیا کریں اسے۔ چاہے اوپری دل سے ہی سہی۔" اطلاع بے اختیار حدی کے متعلق سوچے جا رہی تھی جس کی آمد کی خبر نے اس کے اردگرد پھول ہی پھول کھلا دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

"اطلاع بیٹی! پانی تو لا دے۔" درویش سائیں کی آواز سن کر اس نے قرآن پاک عقیدت سے چوم کر جزدان میں لپیٹا تھا۔ پھر مٹی کے گھڑے سے تازہ اور ٹھنڈا پانی کٹورے میں بھر لائی۔ بابا گھڑے کے پانی کے علاوہ نل کا یا فریج کا پانی نہیں پیتے تھے۔

"کھانا لاؤں بابا!؟"

"لے آ دھی رانی! آج کیا پکایا ہے؟"

"اروی آلو اور لوکی کا بھرتہ۔" اس نے بابا کی پسندیدہ سبزیوں کے نام لیے تھے۔

"رب تعالیٰ سکھی رکھے میری دھی رانی کو۔ جلدی سے کھانا لے آ۔ مجھے میں نے حدی شاہ کے ساتھ اپنا پاسپورٹ بنوانے کے لیے نکلنا ہے۔"

"آپ نے کہاں جانا ہے بابا!" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"رب سائیں کا گھر دیکھنے۔" وہ مسرور سے بولے۔

"بابا! آپ حج کرنے جا رہے ہیں۔" اطلاع کی آنکھیں مسرت کے احساس سے جگمگانے لگیں۔

"ہاں لگتا ہے سوہنے رب کا بلاوا آگیا ہے۔" ان کی بوڑھی گدلی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

"پیر شاہ کے ساتھ اس دفعہ بیت اللہ شریف جانے کی باری میری ہے۔"

"بابا! آپ میرے لیے بہت دعا کرنا۔ غلاف کعبہ کو ہاتھ سے چھونا، چومنا۔ اس کی مقدس مہک کو دل میں اتار لینا۔" وہ خوشی سے بھیگی آواز میں کہتی چلی گئی۔

"جھلی دھی! یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ میری دعاؤں میں زیادہ تیرا ہی تو حصہ ہوتا ہے۔"

"بابا آپ کی اولین آرزو یہ تکمیل تک پہنچنے والی ہے۔" وہ ان کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ہاں میری دو ہی تو خواہشیں تھیں۔ ایک رب رحیم کا گھر دیکھنے کی اور دوسری خواہش۔۔۔" وہ نوالہ منہ میں رکھ کر گہری سوچ میں گم ہو گئے تھے۔

"دوسری خواہش۔۔۔" اطلاع بھی سوچنے لگی تھی۔ بابا کی دوسری خواہش سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ جب سے انہیں سانس کی تکلیف شروع ہوئی تھی تب سے ہی وہ اطلاع کے بارے میں زیادہ فکر مند رہنے لگے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ اطلاع کا فرض جلد از جلد وہ ادا کر دیتے۔ اس سلسلے میں انہوں نے پیر شاہ سے بات بھی کر لی تھی اور پیر شاہ نے انہیں بہت تسلی دے کر کہا تھا کہ

"اطلاع تمہاری نہیں ہماری بیٹی ہے اور ہم اس کے لیے بہترین ہم سفر کا انتخاب کریں گے۔" درویش بابا اگرچہ مطمئن ہو گئے تھے مگر پھر بھی ایک باپ کا دل پریشان ہو اٹھتا تھا۔ وہ کھانا کھا چکے تھے۔ اطلاع ان کے لیے چائے بنا لائی تھی۔

پھر کچھ دیر بعد لوہے کے پھاٹک کے سامنے ایک جیپ آرکی۔ تھوڑی دیر بعد حدی شاہ جیپ سے اتر کر اندر چلا آیا تھا۔ اطلاع اسے دور سے آتا دیکھ چکی تھی تب ہی بابا کے کان میں سرگوشیانہ بولی۔

"حدی شاہ آئے ہیں۔"

"کھڑی کیا دیکھ رہی ہو بیٹی! بھاگ کے جا دروازہ کھول۔" درویش بابا نے نرمی سے بیٹی کو ڈپٹا۔

"اندر آجائیے سائیں!" وہ دروازہ کھول کر سامنے سے ہٹ گئی۔

"نہیں میں ادھر ہی ٹھیک ہوں، آپ درویش بابا کو بھیج دیں۔ شہر جانا ہے، دیر ہو جائے گی۔" حدی کی شائستہ ملائم آواز اس کی روح کے تار ہلا گئی تھی اطلاع سرہلا کر بابا تک حدی کا پیغام پہنچانے چلی آئی۔

"بابا! سائیں جلدی میں ہیں۔ بولتے ہیں آپ جلدی باہر آؤ۔"

"میں خود لے کر آتا ہوں۔" بابا فوراً جوتا پیروں

میں اڑس کر باہر نکل گئے تھے۔ پیر شاہ کے دوسرے بیٹے کا نور نظر آج پہلی مرتبہ ان کے مکان میں آیا تھا۔

جہاں درویش بابا اپنی خوش نصیبی پر ناز کر رہے تھے، وہیں اعلاء کا دل جھوم جھوم اٹھا۔ حدی شاہ جس کی شرافت و نجابت کے چرچے تھے۔ جو بہت ہی کم گو اور سنجیدہ طبیعت کا مالک تھا اور جس سے پیر شاہ کو والہانہ محبت تھی۔

"ہماری گدی کا اصل حق دار ہمارا یہی پوتا ہے۔" اکثر پیر شاہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ البتہ وڈیری اماں کی خواہش تھی کہ ازلی روایات کے پیش نظر مقسط شاہ کو سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے گدی کا وارث بنایا جائے۔

"بیٹی! سائیں کے لیے چائے لے کر آؤ۔" حدی کے نہ نہ کرنے کے باوجود بابا نے زبردستی چائے بنوا کر اسے پلوائی تھی۔ چائے پینے کے بعد وہ فوراً کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی جھکی جھکی نظریں اک پل کو بے ساختہ اعلاء کی طرف اٹھی تھیں اور پہلو میں دھڑکتا دل خوش گوار انداز میں دھڑکنے لگا۔ سامنے موجود لڑکی کے چہرے پر بھیگا بھیگا حجاب آلود تبسم اسے اچھی طرح باور کروا رہا تھا کہ محبت کے اس سفر میں وہ تنہا نہیں ہے۔

وہ واپسی کے لیے مڑ گیا تھا مگر اعلاء وہیں دریچے میں کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی، یہاں تک کہ جیپ اسٹارٹ ہوئی اور نظروں سے اوجھل ہوتی چلی گئی۔

اعلاء کے ہونٹوں پر ابھی تک وہ ہی شگفتہ شگفتہ تبسم کوئی اور بھید کھول رہا تھا۔ وہ حدی شاہ کی خاموش نگاہ میں چھپا اعترافِ محبت پا کر سرشار ہوا تھا۔ اس کے انگ انگ سے مسرت کی کرنیں پھوٹنے لگیں۔

یوں ہی بے سبب سی نگاہ اٹھی تھی اور دوسری منزل کی بالکونی میں کھڑے مقتضیٰ پر ٹھہر گئی۔

"نہ جانے سائیں کب سے یہاں کھڑے ہیں۔" وہ سوچتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی تھی، جب مقتضیٰ نے اشارے سے اسے بلوایا۔ کچھ سوچ کر وہ بیرونی سنگ مرمر کی سیڑھیوں سے دوسری منزل تک آ گئی۔ سیاہ جینز اور سیاہ شرٹ میں مقتضیٰ شاہ کی سرخ اور بے انتہا سفید رنگت دمک رہی تھی۔ اوپر سے گہری سبز نشیلی آنکھوں سے پھوٹتی شعاعیں اچھے بھلے ذی شعور بندے کو پاگل کرنے کا پورا پورا اہتمام رکھتی تھیں۔

"سائیں نے نہ جانے شہر میں کتنی لڑکیوں کو دیوانہ بنا رکھا ہو گا۔" اس نے بے اختیار سوچا تھا اور مسکرا دی۔

حدی شاہ سامنے کھڑے اس وجیہہ و شکیل مرد سے زیادہ خوب صورت نہیں تھا۔ وہ ہو بہو اپنے والد زوار شاہ کی تصویر تھا۔ ان ہی کی طرح دبتا ہوا رنگ۔ معمولی سے نقوش، ہلکی بھوری آنکھیں اور درمیانہ سا قد جو کہ دیکھنے میں برا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود اس میں بہت کشش تھی۔ اس کی شخصیت میں ایسا سحر تھا کہ دل خود بہ خود حدی شاہ کی طرف کھنچنے لگتا۔ حدی شاہ کی ہمراہی کے خواب نہ جانے کس کس نے آنکھوں میں بسائے تھے۔ اعلاء نے، عشنا نے اور شاید مفرح نے بھی۔

ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنوں کا عکس اس لڑکی چہرے پر کیسا سلونا سا مدھم مدھم اجالا بکھیر رہا تھا۔ وہ بہت خاص لڑکی تھی بہت ہی منفرد۔ تب ہی تو دل نے اس کی ہمراہی کی آرزو کر لی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو اعلاء!"

"کچھ نہیں سائیں!" وہ گڑبڑا گئی۔ پھر اچانک خیال آیا تو بولی۔

"آپ نے کیوں بلوایا ہے سائیں!"

"کام تھا تم سے۔"

"کون سا کام؟" وہ چونکی۔

"تمہیں "اورنج ڈیلائٹ" بنانا آتا ہے۔" اس نے ذہن پر زور ڈال کر ایک کام ڈھونڈ ہی نکالا تھا۔

"جی سائیں! ابھی بنا کر لائی۔" وہ سرعت سے پلٹنے لگی تھی، جب مقتضیٰ نے اسے آواز دے کر روکا۔

"پہلے کوئی ٹھنڈا مشروب لے کر آؤ۔"

"بہتر سائیں!" اعلاء سر ہلا کر سیڑھیاں اتر گئی تھی اور وہ خود کو ڈپٹنے لگا تھا۔ "کیا ضرورت تھی اورنج

ڈیلائٹ کی فرمائش کرنے کی۔ اس سے بہتر تھا کسی دیسی ڈش کی فرمائش کر لیتا۔ اب یہ سویٹ ڈش کھائے گا کون۔"

وہ تاحدِ نگاہ لہلہاتی فصلوں کو دیکھتے ہوئے سوچے گیا۔ ابھی وہ سوچوں میں گم تھا، جب چمن کی آواز سن کر پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"سائیں! یہ شہتوت کا شربت۔" چمن نے نفیس سا جگ اور نازک سا گلاس میز پر رکھ دیا تھا۔ ایک دم ہی مقتضیٰ کو شدید اشتعال نے آن گھیرا۔ اس نے ایک زوردار ٹھوکر سے میز الٹ دیا تھا۔ چمن کا گویا سانس رک گیا۔

"اعلاء کہاں ہے؟" اس کی گرج دار آواز سن کر چمن سہم سی گئی۔

"سائیں! ابھی بلا کر لاتی ہوں۔" وہ گویا سائیں کے مزاج کی برہمی کو پل بھر میں ہی سمجھ گئی تھی، اسی لیے سر پر پیر رکھ کر بھاگی۔

"اونہہ، مائی فٹ۔" وہ میز کو ایک اور ٹھوکر رسید کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اعلاء حیران پریشان سی بکھرے کانچ دیکھتی ہوئی مقتضیٰ شاہ کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر اندر آ گئی۔

"خیریت سائیں!" وہ قدرے بوکھلا کر بولی تھی۔ مقتضیٰ شرٹ کندھے پر رکھے اے سی ریموٹ اٹھاتے ہوئے پلٹا۔

"خیریت نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں کچھ تو تھا کہ اعلاء ایک دم ٹھٹک گئی۔

"آپ نے کیوں بلوایا ہے؟"

"یہ پوچھنے کے لیے تم اسکوائش خود کیوں نہیں لائیں۔" وہ قدرے ناراضی سے بولا۔

"میں باورچی خانے میں آپ کے لیے میٹھا بنا رہی تھی۔" اعلاء نے ادب سے جواب دیا۔

"یہ جانتے ہوئے کہ مجھے میٹھا پسند نہیں۔" مقتضیٰ کے گمبھیر لہجے میں کچھ گرم جذبوں کی تپش تھی۔ اعلاء لڑکی تھی۔ کیسے مرد کی بدلتی نگاہ کو جان نہ پاتی۔

"آپ نے خود کہا تھا۔" اس کا تحمل قابلِ دید تھا۔

"میں جو کچھ کہوں گا مان لو گی؟" مقتضیٰ کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"جو آپ حکم دیں گے، اس کی تعمیل تو ضروری ہو گی۔" اعلاء نے جان بوجھ کر اس کے لہجے کی معنویت کا اثر زائل کرنا چاہا۔

"تو پھر مان لو کہ تم مجھے اچھی لگتی ہو اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بڑے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ گویا اسے یقین تھا کہ اسے کبھی ریجیکٹ نہیں کیا جائے گا۔

"سائیں! میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔" اعلاء کے رخسار تپ اٹھے۔

"عزت کے ساتھ ساتھ محبت بھی کر لو۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"آپ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔" اعلاء ناگواری سے کہنے لگی۔ "اور نہ ہی مجھے اس قسم کی گفتگو پسند ہے۔"

"تمہیں جو پسند ہے کہہ کر تو دیکھو۔ گفتگو کا معیار بدل لیں گے۔"

"سائیں! مجھے افسوس ہے کہ میرے دل میں آپ کا کافی اونچا مقام تھا۔" اعلاء نے تنفر سے کہا۔

"کیا تمہیں کوئی اور پسند ہے؟" وہ کچھ سوچ کر نرمی سے پوچھنے لگا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" اعلاء جز بز سی ہو گئی۔

"مجھے تو کچھ ایسی ہی بات لگتی ہے۔"

"اگر ایسی بات ہوتی تو پیر شاہ کو سب سے پہلے خبر ہو گی۔" اعلاء نے بہ مشکل اپنے امڈتے اشتعال کو کنٹرول کر رکھا تھا۔ وہ اک پل کو چونک سا گیا۔

"مجھے تمہارے ساتھ کم نام تعلق نہیں بنانا۔ میں بھی پیر شاہ سے واضح اور دو ٹوک بات کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"مگر میری مرضی کے بغیر آپ کچھ نہیں کر سکتے۔" بالآخر اسے کہنا ہی پڑا۔

"تمہاری مرضی کیا ہے۔" مقتضیٰ شاہ نے سرد آواز میں پوچھا۔

www.pkdigest.com

”کم از کم آپ کو بتانا نہیں چاہوں گی۔“ اطلاعاً جتاتے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے پلٹ گئی تھی۔ جبکہ وہ دم بخود اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

”تمہارے پرنسپل کے ہاتھ سے رزلٹ کارڈ پکڑتے ہوئے کیسی خجالت اور خفت کا سامنا کرنا پڑا ہے مجھے۔“ جہانگیر صاحب کی آواز میں گہری شرمندگی کا عکس نمایاں تھا۔

”سوری پاپا!“ نشق نے مری مری آواز میں کہا۔

”واٹ سوری!“ وہ غصے سے بولے۔

”آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“ نشق نے پاپا کے چہرے کی طرف دیکھا۔

”ٹھیک ہے۔“ اس کی اتری صورت دیکھ کر پاپا کو فوراً ہی ترس آگیا۔ ”مگر میں تمہاری اسٹڈیز کی روٹین سے مطمئن نہیں ہوں۔ آئندہ سے تم اکیڈمی جایا کرو گی۔“ وہ کافی خراب موڈ میں اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھنے لگے تھے، جب نشق نے بے اختیار پکارا۔

”اب کیا ہے؟“

”پاپا! اکیڈمی میں جا کر پڑھنا ضروری ہے؟“ نشق نے منمنا کر کہا۔

”میں گھر میں ٹیوٹر رکھ کر پہلے کی طرح رسک نہیں لینا چاہتا۔“ وہ کچھ جتا کر ناراضی کے عالم میں اپنے روم کی طرف بڑھ گئے اور نشق کے لبوں پر ایک بھرپور شرارتی مسکراہٹ چمکنے لگی۔

اکیڈمی جانے کا مطلب تھا۔ شام کی تمام ترایکٹیویٹیز کو ترک کر دینا۔ کلب، آؤٹنگ اور لانگ ڈرائیو کا سارا مزہ کرکرا ہو گیا تھا۔

مقتضٰی سے اس دن کے بعد ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ خیر سے وہ ملاقات تھی بھی زبردستی کی۔ اس ملاقات کا تمام حال اس نے ساشا کو سنا ڈالا تھا۔ ساشا دیر تک ہنستی رہی۔

لیکن وہ قطعاً شرمندہ نہیں تھی۔

”نشا! یہ حرکت کافی چیپ نہیں ہو گئی۔ اگر وہ فرح آنٹی کو بتا دیتا تو۔“

”تو میری بلا سے۔ مجھے کوئی پروا نہیں۔ ویسے وہ فرح آنٹی کا رشتہ دار نہیں ہے، بلکہ ان کے بھانجے رمیز کا یونیورسٹی فیلو ہے۔“ نشق، ریموٹ سے چینل سرچنگ میں مصروف تھی۔

”بڑی معلومات اکٹھی کر رکھی ہیں مسٹر پروسی کے متعلق۔“ ساشا نے دیدے گھمائے۔

”میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، مگر یوں لگتا ہے کہ وہ میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔“ وہ حیرانی سے کہہ رہی تھی۔ اٹھ کر گلاس ونڈو سے پردے کھینچ کر سمیٹنے لگی۔ اب اس کی نظریں برابر والے لان میں موجود خالی پڑی کرسیوں پر تھی۔

”مسٹر پروسی دو دن سے غائب ہے۔“ نشق نے گویا اطلاع دی۔

”کہاں جا سکتا ہے۔“ ساشا کو بھی بے چینی لاحق ہوئی۔

”شاید کہیں گیا ہوگا۔“ اس نے خیال ظاہر کیا تھا۔

”کیا پتا بے چارہ بیمار ہو۔“ ساشا بہت دور کی کوڑی لائی تھی۔

”ہوں۔ ہو سکتا ہے۔“ نشا نے بے قراری سے سوچا۔

”تو پھر کیا کرنا چاہیے؟“ اب وہ ساشا کی طرف مشورہ طلب نگاہ سے دیکھنے لگی تھی۔

”عیادت کرنی چاہیے۔“ ساشا نے طنزیہ کہا۔

”اچھا مشورہ ہے۔“ وہ اس کا طنز سمجھے بغیر تائیدی انداز میں بولی۔ ”تمہاری عقل گھاس چرنے تو نہیں چلی گئی نشی!“ ساشا نے گویا اپنا سر پیٹ لیا۔

”کچھ ہوش کے ناخن لو۔ فائنل ایگزامز سر پر آ چکے ہیں۔“

”اچھا کیا تم نے بتا دیا ہے۔ میرا تو دھیان ہی نہیں رہا۔“ وہ سادگی سے کہنے لگی۔

”دھیان مسٹر پروسی میں جو اٹکا رکھا ہے۔“ ساشا کا انداز ملامت کرنے والا تھا۔

”وہ کیسا منحوس دن تھا جب میں نے انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کرنے کا ارادہ کیا تھا۔“ نشق نے خود کو ہمیشہ کی طرح نہ جانے کتنی ہزار مرتبہ لعن طعن کیا۔

”حالانکہ انکل کی خواہش تھی کہ تم ایم بی اے کرتیں۔“

”ایم بی اے مسٹر پروسی نے جو کر رکھا ہے۔“ نشا مزے سے صوفے پر گرتے ہوئے بولی۔

”یہ معلومات کا خزانہ تم نے کہاں سے لیا ہے۔“ ساشا نے شک بھری نظر سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

”خبردار، جو مجھے دیدے گھما کر دیکھا۔“ اور پھر مزے سے کہنے لگی۔

”معلومات کا خزینہ، آبگینے ہے نا!“ کہہ کر وہ اس دن کی زبردستی کی ملاقات یاد کرنے لگی۔

”تم تو مراقبے میں چلی گئی ہو لہٰذا میں چلتی ہوں۔“ ساشا انگڑائیاں لیتی اٹھ گئی۔

”ساشی! ابھی مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“

”کون سی بات؟“ ساشا ٹھٹکی۔

”اکیڈمی والی۔“ نشق کے منہ میں گویا کڑوا بادام آگیا۔

”سنا ہے ثمرو نے بھی اکیڈمی جوائن کرلی ہے۔ سی ایس ایس کی تیاری کر رہی ہے۔“ ساشا نے نئی اطلاع دینی چاہی تھی۔

جہانگیر صاحب خود بہت جینئس تھے، اسی لیے جینئس لوگوں کو پسند کرتے تھے، اور اپنی بھانجی ثمرو سے انہیں خصوصی لگاؤ تھا۔

”ہونہہ، ساری دنیا کے نکمے اور نالائق اکیڈمیوں میں شوبازی کے لیے جاتے ہیں۔“

”یاد رکھیے، آپ بھی ان ہی نکموں کی لسٹ میں شامل ہونے والی ہیں۔“ ساشا نے اس کی دکھتی رگ پر گویا ہاتھ رکھا تھا۔

”پاپا کا خیال ہے میں شان دار نمبروں سے فیل ہو جاؤں گی۔“

”انکل کا خیال درست ہے۔“ وہ شرارتی نظروں سے اسے دیکھتی بھاگ گئی تھی۔ اس وقت وہ شدید تنہائی محسوس کرنے لگی سو وہ گاڑی لے کر نکل گئی۔

اس کے پاپا کامیاب بزنس مین تھے۔ جب وہ انٹر کے ایگزامز سے فارغ ہوئی تھی تب ممی کی ڈیتھ ہو گئی۔ کینسر کے مرض میں مبتلا تھیں۔ اس کا کوئی بہن بھائی نہیں تھا۔ ساشا سے دوستی کی بڑی وجہ یہ ہی تھی کہ وہ لوگ آٹھ بہن بھائی تھے۔ ساشا کے پاپا کی اور اس کے پپا کی گہری دوستی تھی۔ سو بچپن سے ہی اس کا ساشا کے گھر آنا جانا تھا۔

اشارے پر ایک جھٹکے سے تمام گاڑیاں رک گئی تھیں۔ یوں ہی غیر ارادی سی نگاہ اٹھی تھی۔ اس کی سرخ مرسیڈیز کے دائیں جانب بائیک پر مقتضٰی موجود تھا۔ ایک دم ہی نشق کے ذہن میں اسپارک ہوا تھا اور اشارہ کھلتے ہی اس نے ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھ دیا۔ وہ مقتضٰی سے اپنے تئیں ریس لگا چکی تھی۔ گاڑیوں کے اژدہام کو چیرتی ہوئی ریڈ مرسیڈیز طوفانی انداز میں ہنڈا سیونٹی کے برابر آ چکی تھی۔

”ہائے مقتضٰی! تم ہار گئے، وری بیڈ، تم نشا سے ہار گئے۔“ چہکتی، سریلی سی نسوانی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ مقتضٰی نے گردن موڑ کر ریڈ مرسیڈیز کی طرف دیکھا اور بے تحاشا حیرانی اس کی ہری آنکھوں میں پھیلتی چلی گئی۔

”آبگینے روشانے کی آپی!“ اس نے حیرانی کے عالم میں ایک مرتبہ پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اسے یقیناً نشق کے ساتھ پہلی اتفاقیہ ملاقات یاد آگئی تھی اور اسی لیے شاید مقتضٰی کے ماتھے پر سلوٹیں نمودار ہوتی چلی گئیں۔ جبکہ ریڈ مرسیڈیز میں موجود نشق خوشی سے مسرور بہت آگے نکلتی چلی گئی تھی اور وہ ناگواری سے سوچ رہا تھا کہ یہ کیسی ریس تھی جس میں دوسرے فریق کو ہار جیت سے کوئی دلچسپی سرے سے تھی ہی نہیں۔ وہ اپنی تمام تر دلچسپیاں، شوق، تمنائیں پیر شاہ کی بستی میں چھوڑ آیا تھا۔ نہ جانے کون کون سی اذیت ناک سوچیں یک لخت پردۂ اسکرین پر لہرائی تھیں۔ اس کارواں رواں سلگنے لگا۔

☼ ☼ ☼

www.pkdigest.com

"چلو ذرا تمہاری انیکسی کا جائزہ لے کر آتے ہیں۔" نشق نے آبگینے' روشانے سے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" دونوں بچیاں ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ بھاگتے دوڑتے انیکسی کا زینہ عبور کرکے سیدھے مقتضیٰ کے بیڈ روم میں بے دھڑک داخل ہو گئیں۔

"واؤ۔ تمہاری بھیا' کافی نفاست پسند واقع ہوئے ہیں۔" وہ پورے کمرے پر اک طائرانہ نظر ڈال کر بولی تھی۔

"تمہارے بھیا کی کتابیں چیک کر لوں؟" اس نے بک ریک پر ترتیب سے سجی ڈھیروں کتابوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"آپی! آپ بھی بھیا کو بھیا بول لیا کریں۔ آپ سے تو بڑے ہی ہیں۔" روشانے مدبرانہ انداز میں گویا اس کی چوری پکڑلی تھی۔ وہ کچھ خجل سی ہو گئی۔

"اچھا' یہ بتاؤ تمہارے بھیا کو کس قسم کی لڑکیاں پسند ہیں۔ ایکچوئیلی! میں ایک کتاب لکھنا چاہ رہی ہوں تمہارے بھیا کے...." اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے' جب دھاڑ سے بیڈ روم سے ملحقہ شاید ڈریسنگ روم تھا' جس کا دروازہ کھولے مقتضیٰ خونخوار تیور لیے برآمد ہوا۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں ان معصوم بچیوں سے ایسے سوال کرتے ہوئے۔" وہ ایک دم دھاڑا پھر اس نے روشانے اور آبگینے کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں ہی خوف زدہ سی آگے پیچھے بھاگ گئی تھیں۔

"مجھ سے پوچھو.... کیا جاننا چاہتی ہو۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتا زہر خند ہوا۔

"مجھے کس قسم کی لڑکیاں پسند ہیں۔ ان بچیوں سے کیا پوچھتی ہو۔ مجھے کم از کم تمہارے جیسی لڑکیوں سے شدید نفرت ہے۔ خود پسند اور بگڑی ہوئی ــــ امیرزادیاں جہاں اچھا چہرہ دکھائی دیا اس کے ارد گرد منڈلانے لگیں۔" وہ مارے اشتعال کے نہ جانے کیا کچھ بولتا جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا پچھلے چار' پانچ ماہ سے یہ لڑکی کبھی ٹیرس پر' کبھی لان اور کبھی کالونی کی سڑکوں پر کیوں دانستہ ٹکراتی تھی۔

وہ براہ راست اسے کچھ بھی کہنے سے گریز کر رہا تھا۔ صرف اور صرف اس وجہ سے کہ عادل بھائی اور بھابھی اس کے لیے بہت مخلص ثابت ہوئے تھے۔ اور جہانگیر' عادل بھائی کے برعکس پارٹنر تھے اور یہ نشق جہانگیر کافی بگڑی ہوئی خود سر سی بنی تھی۔ فرح بھابھی کے خیالات بھی کچھ اس کے متعلق اچھے نہیں تھے۔ اور اس کی حرکتیں تو مقتضیٰ جیسے جاگیردار کے لیے قطعاً "ناقابل برداشت" تھیں۔ آج اس نے اگلے پچھلے تمام حساب بےباق کر دیے تھے۔ نشق روتی ہوئی اس کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

درویش بابا' پیر شاہ کے ہمراہ مہینے کی بیس تاریخ کو روانہ ہو گئے تھے۔ حدی شاہ انہیں ایرپورٹ تک چھوڑ کر آیا تھا۔

"درویش بابا کی خواہش اللہ سائیں نے پوری کر دی ہے۔" رمزی' وڈیری اماں کے پیر دباتے ہوئے کہنے لگی۔

"اللہ سائیں سب کی مرادیں پوری کرے۔" وڈیری اماں نے تسبیح کرتے ہوئے دل سے دعا کی۔

"آمین۔" کونڈے میں حنا کوٹتے ہوئے چمن نے اور کنک (گندم) صاف کرتے دھوری نے بھی بےساختہ کہا۔ اعلاء باہر سے آئے چکوترے اور کھٹے کے ٹوکروں کو وڈیری اماں کے تخت کے قریب رکھوا رہی تھی۔

مما دوپہر بارہ بجے سو کر اٹھی تھیں۔ گول زینہ سست قدموں سے طے کیا تھا اور جوں ہی بڑے ہال میں قدم رکھا تھا پہلی نظر دھوری پر پڑی۔

"او صاحب! اس کے ہاتھ سے اجوائن کا تھال پکڑ لیجیے۔ مکھنی کے یار اجوائن گوشت کھائیں گے' کنکر گوشت نہیں۔" مما نے چیخ کر کہا تھا۔ اعلاء ان کے چیخنے پر دہل گئی تھی اور اس کے ہاتھ سے لہسن کا گٹھا گر گیا۔

"تیرے ہاتھوں میں سوراخ پڑے ہیں۔ کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتی۔" مما کی توپوں کا رخ اب اعلاء کی طرف تھا۔

"تمہیں یاد ہے مدنی شاہ کے یار نے چار قسم کے شہتوت بھیجے تھے۔ یہ اتنا بڑا ٹوکرا بھر کر' لمبے چھوٹے کالے' سفید' اتنے رسیلے شہتوت تھے' جو اس مہارانی نے کوڑے دان میں انڈیل دیے تھے۔"

یہ اعلاء کی ایسی غلطی تھی جسے نہ جانے کتنی مرتبہ دہرایا جا چکا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اس عجیب سی وضع کے پھل کو پہلی مرتبہ دیکھنے کے بعد غلط فہمی کی بنا پر کوڑے دان میں پھینک آئی تھی اور یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ کلاس فورتھ کی اسٹوڈنٹ تھی۔

"اور جو اس نے کچنار کی کلیوں کا ستیاناس کیا تھا۔" ہزیرہ فاطمہ کو بھی اپنی فیورٹ سبزی کے ساتھ کیا جانے والا حشر یاد آ گیا تھا۔ اعلاء کا سر مارے شرمندگی کے گھٹنوں سے جا لگا۔ اس نے پہلی مرتبہ یہیں آ کر کچنار کو دیکھا تھا' جس کے پھولوں کی سبزی بنتی ہے اور وہ ساری سبزی خسروی کی یا تو بکری کو چارے کے طور پر ڈال آئی تھی۔

"بس بھی کریں مما!" نہ جانے وہ کس کونے سے برآمد ہوا تھا۔ نیند کے خمار سے ادھ کھلی آنکھوں کو مسلتا ہوا وہ اعلاء کی ڈھال بن گیا۔

"جو اس نے دس سال اور اس سے بھی پہلے اور اس سے بھی تین' چار سال پہلے انجانے میں غلطیاں کی ہیں۔ ان کے ایڈ لگوا دیں نیوز پیپر میں۔ حد ہوتی ہے ایک بات کی۔" وہ سخت ناراضی سے گویا ہوا۔

"اس کی غلطی پر ڈانٹا ہے۔ باورچی خانے میں جاتی ہے تو ہاتھوں سے برتن پھسلنے لگتے ہیں۔ ابھی لہسن کا گٹھا بے دھیانی میں گرا دیا ہے۔ نہ جانے کس کے خیالوں میں رہتی ہے۔" مما کو لاڈلے بیٹے کا اعلاء کی حمایت میں بولنا سخت ناگوار گزرا۔

"جس کا خیال اعلاء کے دل و دماغ پر حاوی ہے۔ بڑا بانصیب ہو گا وہ آدمی۔" مقتضیٰ نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے ایک چکوترا اٹھایا۔ آواز اتنی دھیمی تھی کہ صرف اعلاء ہی سن سکی۔ البتہ مما بیٹے کی نظروں کا ارتکاز دیکھ چکی تھیں۔ اسی لیے ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"ابھی کہیں نکل مت جانا۔ مجھے ملتان چھوڑ کے آنا ہے تم نے۔ مشوار اور مغنی کو واپسی پر لاہور سے لیتے آنا۔" وہ بیٹے کی توجہ بٹانے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ یہ بچے مہربانو کے سوتیلے بیٹے تھے مگر وہ ان پر زیادہ اپنا ہی حق سمجھتی تھیں۔ اولادِ نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ چاروں مہربانو کو اور بھی عزیز ہو چکے تھے۔

ان کے درمیان روایتی سوکنوں کی طرح بحث و تکرار نہیں ہوئی تھی۔ مدنی شاہ کی وفات کے بعد تو بالکل ہی کسی بات پر جھگڑا نہیں ہوا تھا اور پھر مہربانو سمجھتی تھیں کہ جنت بی بی کا پلڑا ان سے وزن میں بھاری ہے۔ کیونکہ وہ تین بیٹوں کی ماں تھیں۔ پیر شاہ کو جنت بی بی سے خصوصی لگاؤ تھا۔ اسی لیے "مقصر مقتضیٰ" میں ان کی حیثیت مستحکم تھی۔

"امان کب تک واپس آئے گا؟" وہ تخت پر وڈیری اماں کے قریب لیٹ کر ہزیرہ فاطمہ سے مخاطب تھا۔

"رات کو بات تو ہوئی تھی سب کی' کسی نے اس سے واپسی کے متعلق پوچھا ہی نہیں۔" پھوپھی صاحب نے سادگی سے کہا تھا۔ مقتضیٰ اور مما دونوں ہی ان کی اس سادگی پر مسکرا دیے۔

"یہ امان کا آخری سال ہے۔ نومبر تک واپسی ہو گی۔" بہرحال مما کے پاس داماد کے متعلق معلومات کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ تینوں خواتین کی گفتگو کا رخ کسی اور سمت مڑ چکا تھا۔ اسی لیے مقتضیٰ چپکے سے اٹھ گیا۔

تین راہداریاں عبور کرکے سامنے بڑا سا ہال نما باورچی خانہ تھا۔ جہاں بیک وقت رمزی' چمن اور خسروی دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ باورچی خانے کے باہر بڑی سی میز رکھی تھی۔ جس کے ارد گرد اٹھارہ کرسیاں تھیں اور اس کے باوجود اعلاء ٹیبل پر بیٹھی ناشتا کرنے میں مصروف تھی۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا اس کے قریب چلا آیا تھا۔ اعلاء نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور سیدھی ہو گئی۔

www.pkdigest.com

"سلام سائیں۔"

"وعلیکم السلام۔ یہ بریک فاسٹ ہے یا لنچ؟" وہ گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اجلاء شرمندہ سی ہو گئی۔

"یہ بریک فاسٹ ہے۔ اصل میں اچار کے لیے لیموں کاٹنے تھے۔ پانچ مرتبان بھرنے تھے۔ سب نے دیر سے ہی ناشتا کیا ہے۔"

"کھانا ناشتا وقت پر کھایا کرو۔ کاموں کے لیے یہ اتنی فوج کس لیے بھرتی کر رکھی ہے۔"

"وڈیری اماں کو کسی اور کے ہاتھ کا اچار پسند نہیں ہے۔" وہ اپنے ناشتے کے برتن ٹرے میں رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"اپنا خیال رکھا کرو۔ درویش بابا نے تو ہمیں الزام دینا ہے کہ ہم نے تمہارا خیال نہیں رکھا۔" وہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ یعنی اس کا ابھی گفتگو کرنے کا مزید ارادہ تھا۔ اجلاء کو عجیب سی الجھن ہونے لگی۔

"مکھنی سائیں! کچھ چاہیے؟"

"جو کچھ چاہیے وہ دو گی؟" وہ کنپٹیوں کو ہولے ہولے انگلیوں سے دبا تا کہنے لگا۔

"کیا؟" اجلاء کی آنکھوں میں حیرانی تیر رہی تھی۔

"محبت۔" مقتضیٰ کی آواز میں جذبوں کا بوجھل پن تھا۔

"سائیں! اپنے منصب کو دیکھو۔" اس کے چہرے پر دبا دبا غصہ امڈ آیا۔

"اگر یہ ہی بات حویلی میں تم سے کوئی اور کہے تو..." مقتضیٰ شاہ کی آنکھوں میں سرخیاں سی پھسلنے لگیں۔

"جی۔" اجلاء کا دل دھک سے رہ گیا۔ "کیا سائیں جان گیا ہے میرے دل کا راز۔"

"مجھے دو ٹوک اور واضح جواب دو۔" اس نے اکھڑا انداز میں کہا۔

"کون سا جواب؟" اجلاء نے لرز کر پوچھا۔

"تمہیں میرا ساتھ منظور ہے۔" مقتضیٰ کا گھمنڈی لہجہ اور پُرغرور آواز پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اس کی سماعتوں میں اتری۔

"نہیں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

"میں وجہ پوچھ سکتا ہوں۔"

"نہیں۔۔۔"

"تمہیں کوئی اور پسند ہے؟" وہ یک دم بھڑک اٹھا۔

"اگر ہے بھی تو میں آپ کو بتانا نہیں چاہوں گی۔" وہ قطعاً گھبرائی نہیں تھی۔

"اجلاء! تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، میں تمہارے معاملے میں خود کو بے بس پاتا ہوں۔" اس کے لہجے اور انداز سے بے بسی مترشح تھی۔ "پیر شاہ کی واپسی کے بعد میں ان سے واضح بات کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"دوسرے فریق کی رضامندی آپ کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی؟"

"نہیں۔" وہ ایک دم پھنکارا۔ "میں نے تمہیں حاصل کرنا ہے، ہر صورت۔" وہ اٹھ کر چلا گیا تھا اور اس کے قدموں کی دھمک اجلاء کو اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔ "دلوں کے رشتے زور زبردستی کے قائل نہیں ہوتے سائیں! میں بھی حدی شاہ کے معاملے میں خود کو بے بس پاتی ہوں۔" اس نے بھرے دل کے ساتھ سوچا تھا اور پھر اٹھ کر اپنے ہاسٹل حصے کی طرف آ گئی۔ بابا کو آج گئے ہوئے دسواں دن تھا اور وہ گن گن کر دن بتا رہی تھی۔ رات کو اس کے پاس خسروی سونے کے لیے آجاتی تھی۔

وہ بے دلی کے ساتھ برآمدے میں جھاڑو لگانے لگی تھی۔ پھر گھڑے میں تازہ پانی بھرا اور موتیے کی کلیاں توڑ کر گجرا بنانے لگی۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے گجرے کو گھڑے کے منہ پر لپیٹ دیا تھا۔ اسی اثناء میں ہولے سے دروازے پر دستک ہوئی تھی اور کوئی دبے قدموں سے اندر چلا آیا۔ اجلاء نے چونک کر چادر کے پلو سے سر ڈھانپا۔

"سلام شاہ جی۔"

"وعلیکم السلام، کیسی ہو اجلاء! کسی شے کی ضرورت تو نہیں۔" اس کی آواز کا دھیما پن بہتے رواں جھرنے کی مانند تھا۔

"نہیں۔۔۔"

"پیر شاہ نے فون کیا تھا۔ درویش بابا سے بھی بات ہوئی تھی۔ تمہاری خیریت پوچھ رہے تھے۔" حدی شاہ نے بغور اس کے لرزتے ہاتھوں کو دیکھا۔

"میرے سے بات نہیں ہو سکتی بابا کی۔" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہو سکتی ہے، مگر ابھی نہیں۔ کوئی مسئلہ، پریشانی وغیرہ ہو تو بتانا۔" ایک دو مزید باتیں کرنے کے بعد وہ واپس پلٹ گیا تھا۔ تقریباً روزانہ ہی وہ اس کی خیریت معلوم کرنے آنے لگا۔ یقیناً اسے پیر شاہ نے تاکید کر رکھی تھی۔

مقتضیٰ لاہور جانے کے لیے نکل رہا تھا۔ جوں ہی وہ پورچ کی طرف بڑھا، اس نے حدی کو اجلاء کے مکان میں سے نکلتے دیکھا۔ اس کے لبوں پر ایک زہریلے معنی خیز تبسم نے جھلک دکھائی تھی۔

"اوہو۔۔۔ تو یہ بات ہے۔"

☆ ☆ ☆

"آج کل حدی کے بہت پھیرے لگ رہے ہیں اجلاء کی طرف۔" مشوار اور مفرح آج صبح ڈرائیور کے ساتھ لاہور سے آئی تھیں۔ ابھی وہ پھوپھی صاحب کے پورشن میں عشنا کے کمرے میں موجود تھیں۔ مفرح کسی فیشن میگزین میں گم تھی۔ عشنا ناخن فائل کر رہی تھی، جبکہ مشوار مساج میں مصروف تھی۔

مشوار اپنی کسی فرینڈ کا قصہ سناتے سناتے اچانک گفتگو کا رخ بدل گئی تھی۔ مفرح اور عشنا نے چونک کر مشوار کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں کی رنگت پل بھر کے لیے متغیر ہو گئی۔

"حدی تو بہت کم کم شہر سے آتا ہے۔" مفرح نے سنبھل کر ایک مرتبہ پھر میگزین پر نگاہیں جما دیں۔

"مگر آج کل تقریباً روزانہ ہی آ رہا ہے اجلاء کی خیریت پوچھنے کی غرض سے۔" مشوار نے لوشن کی بوتل صوفے کی طرف اچھالی۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

"آنکھیں کھلی رکھتے ہیں جناب!" مشوار مسکرائی۔ "اجلاء اور حدی کے درمیان کوئی چکر چل رہا ہے۔"

"کون سا چکر؟" مفرح نے ناگواری سے ناک سکیڑ کر پوچھا۔ "تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، حدی لالہ ایسے نہیں ہیں۔"

"چاند چڑھے گا تو تم دونوں بھی دیکھ لینا۔"

"ایسی بات ہو بھی سکتی ہے۔" کافی دیر سے سوچوں میں گم عشنا نے گویا مشوار کی بات سے اتفاق کر لیا۔

"میں نہیں مانتی۔" مفرح نے نفی میں دائیں بائیں سر ہلایا۔

"وقت ثابت کر دے گا۔" مشوار نے معنی خیزی سے کہا۔ عشنا اور مفرح دونوں ایک دوسرے سے نگاہ چرا گئی تھیں۔

"ویسے عشنا! آج کل تم بہت کھوئی کھوئی سی نظر آتی ہو۔" مشوار نے شرارت سے لب کچلتی عشنا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ان کے خیالوں میں بھی کسی کا بسیرا ہے۔" مغفی نے دوبارہ سے میگزین کھول لیا تھا۔

"کون ہے وہ خوش نصیب؟" مشوار نے ان دونوں کو آنکھیں دکھا کر پوچھا۔

"مشی بھابھی! یہ مغفی بکواس کر رہی ہے۔"

"خوابوں پر تو کسی کی اجارہ داری نہیں۔ میں بھی دیکھتی ہوں۔ تم بھی دیکھتی رہو۔" مفرح نے گویا عشنا کے ساتھ ساتھ اپنی بھی ہنسی اڑائی تھی۔

"اور اجلاء بی بی خوابوں کے شہزادے کو لے اڑے گی۔" مشوار ان کی گفتگو کے اصل متن کو جان گئی تھی۔ ان دونوں نے ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے سے نظریں چرا لیں۔

رات بھر آندھی کے تیز جھکڑ چلتے رہے تھے۔ زمین بارش کے ایک قطرے کے لیے ترس رہی تھی۔ پوری رات بے چینی سے اجلاء کروٹیں بدلتی رہی۔ اس کا دل بھی تو پیاسی دھرتی کی مانند تھا۔ وہ بھی تو اعترافِ محبت کے بعد اظہارِ محبت کی بوند بوند کو ترس

www.pkdigest.com

رہی تھی۔

صبح کاذب کے وقت اس کی آنکھ لگی تھی اور پھر دن چڑھے دروازے پر ہونے والے کھٹکے کی آواز سے کھلی۔

"اعلاء! تجھے وڈیری اماں بلا رہی ہیں۔" چمن کواڑ کے پاس کھڑے ہو کر بلند آواز میں بولی۔

"ابھی آئی! ذرا منہ پر پانی کے چھپاکے مار لوں۔" اس نے تیزی سے چپل پیروں میں اڑسیں اور بالوں کو ہاتھوں سے سنوار کر سر پر چادر کا پلو اچھی طرح سلیقے سے ڈال لیا۔ ایک مرتبہ مکھنی شاہ نے اس کے گھنے براؤن لمبے بالوں کی بے ساختہ تعریف کی تھی۔ اس دن سے اعلاء اب اچھی طرح سر کو ڈھانپ کر رکھتی تھی۔

"جی وڈیری اماں!" وہ سیدھی ان کے مخصوص کمرے کی طرف آگئی۔

"ادھر آ میرے پاس بیٹھ۔" ان کے لہجے میں آج معمول سے بڑھ کر حلاوت تھی۔ انہوں نے ایک چوکی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے ان کے قریب رکھی چوکی پر بیٹھ گئی۔

"تو جانتی ہے کہ پیر شاہ کو درویش بابا سے خاص انسیت ہے۔ اسی وجہ سے وہ تجھے بھی بہت عزیز رکھتے ہیں۔" اس تمہید کا نہ جانے کیا مقصد تھا۔ اعلاء خاموشی سے سرہلا کر رہ گئی۔

"حویلی میں تجھے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ہمارے رازوں کی امین ہو تم۔ مجبوریوں میں کیا کچھ پڑا ہے سب تمہارے علم میں ہے۔ ایسا مقام بیٹیوں کو دیا جاتا ہے۔ تجھے بھی ہمیشہ بیٹی سمجھا ہے۔ خیال رکھنا ہماری عزت پر آنچ نہ آئے۔"

"میں کچھ سمجھی نہیں وڈیری اماں!" وہ ان کی ناقابل فہم گفتگو سے کچھ بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔

"تیرے پاس بنگالی عورتوں جیسا حسن ہے۔ دیکھ ہمارا چاند اگر تیری آرزو کر بیٹھے تو ہم کو پتھر کی بھاری سل دلوں پر رکھنی پڑے گی۔ مکھنی شاہ ہمارا بچہ ہے۔ بہت عزیز ہے ہمیں۔ بن ماں کے پرورش کی تھی وڈی ماں نے ہم سے مرتے وقت اقرار لیا تھا کہ مکھنی شاہ کو سینے سے لگا کر رکھیں اور مقیت' مقارب سے بڑھ کر محبت دیں گے۔ ہم نے ان کے عہد کو نبھانے کا عہد خود سے کیا ہے۔ اب اگر وہ پیر شاہ سے تجھے مانگنے کی درخواست کرے تو تیرا جواب کیا ہوگا۔" وڈیری اماں نے بات کے اختتام کے بعد اعلاء کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ ان کی پوری گفتگو کے اصل مقصد کو اچھی طرح سے سمجھ چکی تھی۔

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟" اس کے سر پر لٹکتی تلوار کا رخ خود بخود بدل رہا تھا۔

"انکار۔" انہوں نے گفتگو کو سمیٹا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ فوراً "مان گئی۔

"جیتی رہ دل خوش کیا ہے تو نے میرا۔" انہیں گویا یقین نہیں تھا کہ وہ اس طرح سے مان جائے گی۔

"جاؤں؟" اس نے اجازت طلب نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ہاں۔" انہوں نے سرہلا کر کہا تھا۔ اعلاء ہلکی پھلکی سی تمام بوجھ جنت بی بی کے کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔ اب اس کا رخ آموں کے باغ کی طرف تھا۔ راہداری سے نکل رہی تھی جب سامنے سے آتے حدی شاہ کی اس پر نگاہ پڑی۔ وہ زنان خانے میں جانے کی بجائے سیدھا اس کی طرف آگیا۔

"اتنی گرم دوپہر میں کہاں جا رہی ہو؟"

"جس کے سر پر ہمیشہ کا سورج ہو اسے گرم دوپہر کی تپش کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ایک شکوہ نوحہ بن کر لبوں پر مچل گیا۔

"اگر سلگتا سورج اپنا رخ بدل لے سمت بدل لے تو؟" حدی شاہ کی بھوری آنکھیں جگمگانے لگیں۔

"ہم اتنے خوش نصیب نہیں ہیں۔" نہ جانے کیوں اس پل دل بھر آیا۔

"آپ بہت خوش نصیب ہیں۔ کیسے یقین دلایا جائے۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"ایسی خوش نصیبی کا کیا فائدہ۔" اس کے لہجے میں یاسیت کی نمی تھی۔

"محبت میں فائدہ اور نقصان نہیں دیکھتے۔" حدی شاہ کی گمبھیر آواز میں جذبوں کی مہک تھی۔ خوشبو تھی۔ اعلاء کی سانسیں مہکنے لگیں۔

"میں پیر شاہ کی واپسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ چند دنوں پر محیط انتظار کے لطف و سرور کی بات الگ ہے۔ اتنے تھوڑے سے انتظار کی شمع تمہارے ہاتھ میں ہے۔ دیکھو اسے کبھی بجھانا نہیں چاہیے۔ اس کی لو حدی شاہ کے دل کو پردیس میں منور کیے رکھے گی۔" گرم دوپہر میں حدی شاہ کے اقرار نے اس کے تپتے دل پر ٹھنڈی پھوار برسادی تھی۔ اس کی پیاسی زمین پر محبت کی بوند بوند گرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"اس نے تمہیں اتنی باتیں سنا دی تھیں اور تم خاموشی سے سنتی رہیں۔" ساشا کا مارے اشتعال کے برا حال تھا۔

"تو اور کیا کرتی؟" اس نے سوں سوں کرتے ہوئے منہ بنایا۔

"پپا کو بتایا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیوں نہیں بتایا؟ محترم کی ذرا کھنچائی کرتے۔" ساشا نے غصے سے کہا۔

"نہیں یار! پاپا کو بہت غصہ آئے گا۔ تم تو جانتی ہو کہ وہ میری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے۔ خوامخواہ بدمزگی سے فائدہ۔ جب غلطی سراسر ان دونوں فتنیوں کی تھی مگر اب وہ بھی مجھ سے معذرت کر چکی ہیں۔" اس کا دل پہلے کی طرح صاف شفاف ہو چکا تھا۔

"اور وہ جو اس نے تمہاری بے عزتی کی ہے۔" ساشا نے یاد دلانا چاہا۔

"کم آن یار! اس پر غرور بجتا ہے۔ میں سب بھول چکی ہوں۔" اب وہ مزے سے فرنچ فرائیز پر ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

"آج انسٹی ٹیوٹ جانا ہے تمہیں۔" ساشا کو اچانک یاد آیا تو پوچھنے لگی۔

"جانا تو پڑے گا۔ باقاعدہ ایڈمیشن ہوا ہے۔ فارم فل کر کے بھجوائے ہیں۔ اتنے ڈھیر سارے تو چارجز تھے۔ یہ پرائیویٹ اداروں میں تعلیم کس قدر مہنگی ہے۔"

چار بجے سے پندرہ منٹ پہلے ہی وہ لوگ نکل کھڑی ہوئی تھیں۔ آج انسٹی ٹیوٹ میں ایم اے کی کلاسز کا پہلا دن تھا اور نشق کا خیال تھا کہ کلاس میں وقت پر پہنچنا چاہیے —— نشق نے پارکنگ میں گاڑی پارک کی تھی۔ پھر دونوں ہی گاڑی سے اتر آئیں۔

انٹرنس کا وسیع و عریض گلاس ڈور کھول کر وہ دونوں ایئر کنڈیشنڈ ہال میں داخل ہوگئیں۔ وہ دونوں ہی حیران پریشان چکنے فرش پر چلتے ہوئے ارد گرد کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ طویل و عریض کوریڈور بڑے بڑے ہال نما کمرے۔ یہاں تو گویا رنگ و بو کا ایک سیلاب تھا۔ نشق نے اپنے ازلی پراعتماد لہجے میں ایک اسٹوڈنٹ سے پوچھا۔

"ایم اے کی کلاسز کہاں ہو رہی ہیں؟"

"یہ تو انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ ہے۔ بذریعہ لفٹ سیکنڈ فلور پر جائیے۔" —— نشق' ساشا کا ہاتھ پکڑے چل پڑی۔

سر کلاس روم میں آچکے تھے۔ کیونکہ پورے ہال میں خاموشی طاری تھی۔ سب اسٹوڈنٹ لیکچر نوٹ کرنے میں مصروف تھے۔

"ارے' یہ تو سر فاروق ہیں۔" نشق کی بے ساختہ چیخ نما آواز نے سر کو بھی روم کے دروازے میں ایستادہ کھڑی لڑکیوں کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

"سر! ہم اندر آجائیں۔"

"تم دونوں وہ ہی ہو۔" سر کو گویا انہیں دیکھ کر شاک لگا۔ ببل گم چباتی نشق نے زور و شور سے سرہلایا۔

"سر! ہم وہ ہی ہیں' میں نشق اور یہ ساشا۔" نشق مسرت سے چہکی۔

"تم دونوں نے جانتی ہو کیا کیا۔"

"جی۔۔۔ جی سر! میں کچھ جانتی ہوں' یاد ہے بس' آپ پر دسمبر کی سردیوں میں ٹھنڈا پانی گرایا تھا۔ چاہے

www.pkdigest.com

میں نمک گھول گھول کر پلاتے تھے۔ کتنی مرتبہ آپ کے اسکوٹر کے ٹائر پنکچر کیے تھے۔ مگر اس سب کے باوجود آج ایم اے میں ہم دونوں آپ کی وجہ سے پہنچ چکے ہیں۔ آپ نے کہا تھا تم ڈھیٹ اور۔۔۔ میں مہا ڈھیٹ ہوں۔" وہ نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی اور سر بے اختیار سٹپٹا گئے تھے۔ پوری کلاس میں دبی دبی ہنسی کی آوازوں نے نشق کو کچھ غلط ہونے کا احساس دلایا تھا اور ساشا بھی برابر اسے کہنیاں مار رہی تھی۔

"پلیز اسٹاپ اٹ۔" سر نے بری طرح جھاڑنے کے انداز میں کہا۔

"مجھے اب یقین ہو چکا ہے کہ تم واقعی نشق ہو۔ تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔ میں کہنا چاہ رہا ہوں کہ اس وقت لیکچر کا ٹائم ختم ہو چکا ہے۔ آپ نے پہلے دن ہی انسٹی ٹیوٹ کے رولز کی خلاف ورزی کی ہے۔ لہٰذا آپ کو دوسرے لیکچر میں بیٹھنے نہیں دیا جائے گا' جب تک مسٹر شاہ پرمیشن نہیں دیں گے۔"

"مسٹر شاہ کون؟" نشق پہلے دن ہی اس بے عزتی پر تلملا گئی۔

"اس انسٹی ٹیوٹ کے اونر۔ ان کا آفس نیچے ہے اور وہ اس وقت آفس میں نہیں ہیں۔" وہ دونوں ہی جلتی بھنتی نیچے چلی آئیں۔

"لعنت بھیجو اس اکیڈمی پر۔ ایک تو اتنی میٹھی نیند کا ستیاناس مارا ہے۔" ساشا نے دانت کچکچائے۔

"بھاڑ میں جائے اونر۔" نشق بھی غصے سے بڑبڑائی۔

وہ دونوں بھن بھن کرتی سیڑھیاں اتر کر ہال میں چلی آئی تھیں۔ تبھی ایک کافی وجیہہ نوجوان ان کے قریب چلا آیا۔ بلیک ٹوپیس میں وہ بہت چارمنگ دکھائی دے رہا تھا۔

"آپ کلاس سے باہر کیوں کھڑی ہیں؟" بہت شائستگی سے اس نوجوان نے ان سے پوچھا تھا۔ جواباً" ساشا نے اپنی تازہ ترین بے عزتی کے متعلق بتایا۔

"ویری سیڈ۔" اس نے پوری بات سن کر ہمدردی سے کہا۔

"آپ یہاں پڑھتے ہیں یا پڑھاتے ہیں۔" ساشا کو خیال آیا تو پوچھ بیٹھی۔

"میں نہ پڑھتا ہوں اور نہ ہی پڑھاتا ہوں۔"

"تو پھر آپ جھک مارنے آئے ہیں۔" نشق کو وہ ذرا بے کار آدمی لگنے لگا۔

"نہیں میں جاب کرتا ہوں ایک فرم میں' اس وقت یہاں کا دورہ کرنے آیا تھا۔"

"اچھا۔" ان دونوں کو قطعاً" یقین نہ آیا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" ساشا نے پوچھا۔

"مقیت۔۔۔ سید مقیت شاہ۔"

"مجھے لگتا ہے' میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔" نشق سوچتے ہوئے کہنے لگی تھی۔ پھر اچانک کچھ یاد آنے پر بولی۔

"آپ عادل انکل کی انیکسی میں دس دن پہلے ایک رات کے لیے ٹھہرے تھے۔"

"جی بالکل۔" مقیت نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔

"میں نے بھی آپ کو دیکھا ہے۔"

"کہاں۔۔۔؟" ساشا نے حیرانی سے پوچھا۔

"برابر والوں کے ٹیرس پر۔ آپ میرے بھائی کے کمرے میں جھانک رہی تھیں۔"

"مقتضیٰ شاہ آپ کا بھائی ہے۔" نشق کے منہ سے چیخ نما آواز برآمد ہوئی۔

"یہ انسٹی ٹیوٹ ان ہی کا ہے۔ ایکچوئلی! پہلے اس کے اونر کوئی اور تھے پھر اچانک انہیں کسی مجبوری کے تحت اسے فروخت کرنا پڑا تھا' سو میرے بھائی نے اسے خرید لیا ہے۔ ویسے وہ جاب کرتے ہیں۔ یہاں کا ایڈمنسٹریٹر ان کا دوست رمیز ہے۔ جس کی خالہ کی انیکسی میں بھائی رہائش پذیر ہیں۔" اس نے بہت تفصیلاً" جواب دیا تھا۔

"مقیت شاہ! آپ تو قطعاً" مقتضیٰ کے بھائی نہیں لگتے۔" نشق نے کوئی چوتھی مرتبہ کہا۔ وہ ایک ساتھ ہی پارکنگ تک آئے تھے۔ مقیت اپنی ہنڈا اکارڈ میں بیٹھنے لگا تھا۔ جب نشق کو اچانک خیال آیا۔ مقتضیٰ

کے پاس تو معمولی سی موٹر بائیک تھی۔ اس نے پوچھ ہی لیا تھا۔ جواباً" مقیت پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولا۔

"یہ ہنڈا اکارڈ ان کی ہے۔ مگر ان دنوں وہ پیر شاہ کی طرف سے ملنے والی تمام مراعات کو ٹھوکر مار چکے ہیں۔ نہ جانے یہ خود ساختہ بائیکاٹ کب ختم ہو گا۔"

"اوں۔۔۔ ہوں' معاملہ کچھ گمبھیر لگتا ہے۔" نشق سنجیدگی سے سوچتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف آ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

دوسرے دن وہ تقریباً" تین ماہ بعد فرح آنٹی کے گھر آئی تھی۔ اس نے ٹیرس پر کھڑے ہو کر یہ یقین دہانی کر لی تھی کہ فرح آنٹی فیملی سمیت کچھ دنوں کے لیے کراچی جا چکی ہیں۔ وہ سیدھی مقتضیٰ کے بیڈ روم میں جا پہنچی تھی۔ پھر اس نے وارڈ روب کھول کر اس کے تمام پریس شدہ کپڑوں کو نکال کر ہینگرز میں سے علیحدہ کیا۔ پھر ان سب کو گول مول کر کے دوبارہ سے ٹھونس دیا۔ بیڈ شیٹ الٹ پلٹ دی۔ بک ریک کی ساری کتابیں کارپٹ پر ڈھیر کر دیں اور اس کے بعد اطمینان سے چوکیدار کی نظر بچا کر گھر آ گئی۔ واپس آ کر اس نے ساشا کو اپنے کارنامے کی تمام تر روداد سنائی تھی۔ ساشا اس کے ایڈونچر پر داد دینے کی بجائے خفا ہونے لگی تھی۔

"ونشی احمق! وہ تو شکل سے ہی بہت اکھڑ سا لگتا ہے۔ کیا ضرورت تھی پنگا لینے کی۔"

"اس نے مجھے اسٹوپڈ کہا ہے۔ سو اب مزہ چکھے۔ تین' چار گھنٹے برباد کر کے کمرہ سنوارے' کپڑے دوبارہ سے پریس کرے۔" وہ مزے سے بیڈ پر نیم دراز تھی۔ میوزک سے پورا بیڈ روم گونج رہا تھا۔ اور وہ پیر جھلاتے ہوئے بڑی ترنگ میں تھی۔

"میں یہ پورا سین لائیو دیکھنے کے شوق میں مری جا رہی ہوں۔"

"اپنے شوق پورے کرنے کے چکر میں گردن نہ ڈلوا لینا۔" ساشا نے اسے دھمکایا۔

"اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو گی کہ یہ سب کس کی کارستانی ہے۔" نشق کا لہجہ پُریقین تھا۔

"مگر اسے پتا چل گیا تو۔۔"

"اسے پتا تو تب چلے گا جب تم غداری کرو گی اور تم ایسا کبھی نہیں کرو گی۔" نشق متوقع صورت حال کو انجوائے کرتی کارڈلیس صوفے پر اچھال کر مووی میں گم ہو چکی تھی' جب بیڈ روم کے دروازے پر ناک کر کے پاپا چلے آئے۔

☆ ☆ ☆

اس نے ڈائری میں لکھا نمبر احتیاط سے موبائل میں ڈالا تھا۔ پھر اچھی طرح دروازہ بند کر کے بیڈ پر آ بیٹھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میوزک کا بٹن آف کیا اور سیل کان سے لگا کر دوسری طرف فون اٹھائے جانے کا انتظار کرنے لگی۔

مقیت واپس کراچی چلا گیا تھا۔ نشق کو یقین تھا کہ مقتضیٰ اب تنہا ہو گا۔ اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ سو کلاک پر ایک نظر ڈال کر اس نے دوسری طرف سنائی دینے والی میوزک ٹیون پر غور کرنا شروع کر دیا۔ کسی نے جھومتے جھامتے فون اٹھا ہی لیا۔

"ہے۔ لو۔" سیل فون سے ایک بے ڈھنگی چھٹی چھٹی آواز ابھری تھی۔ اس نے حیرانی سے سیل کو کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"تم کون ہو؟" اس نے ناگواری سے پوچھا۔

"میں نواب ہوں۔ چمن کا خاوند۔" فون میں سے آواز ابھری۔

"کون چمن؟" اسے مزہ آنے لگا تھا۔ سو گفتگو کو طول دینے کی غرض سے بولی۔

"نی جی' میری بیوی ہے چمن۔"

"او کے' اب ذرا اپنے "صاحب" کو جگاؤ۔" اسے گفتگو سے اندازہ ہو چکا تھا کہ نواب صاحب گھریلو ملازم ہیں۔

"مکھنی سائیں تو اپنے کمرے میں ہیں۔"

www.pkdigest.com

"مکھنی سائیں!" وہ زیرلب بڑبڑائی۔ "کیا میں نے سچ مچ غلط جگہ فون تو نہیں کیا۔" اس نے بے اختیار سوچا۔

"مجھے مقتضیٰ سی بات کرنی ہے۔"

"شاہ جی کو لاڈ میں سب مکھن سائیں بولتے ہیں۔" تواب نے اس کی غلط فہمی کو دور کردیا تھا۔ نشق نے حلق میں اٹکا سانس خارج کیا۔

"اپنے مکھن سائیں سے بات کروادو۔"

"وہ تو جی سو چکے ہوں گے۔" تواب نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"اتنی جلدی۔۔۔" نشق نے بے ساختہ ایک بجاتی گھڑی کی طرف دیکھا۔

"آپ ان کے کمرے والے ٹیلی فون پر بات کرلو۔" شاید پہلی عقل مندی کی بات نواب کے منہ سے برآمد ہوئی تھی۔

"نمبر بتاؤ۔" اس کی گویا من کی مراد بر آئی۔

"ادھر لکھا ہے۔ بتاتا ہوں۔" کچھ دیر بعد نواب نے بہ مشکل تین 'سات' دو نولوں کر نمبر لکھوادیا۔

"ہیلو۔" اس کی بھاری' گمبھیر آواز گویا سماعتوں میں رس گھول گئی تھی۔

"ہائے مکھن شاہ! کیسے ہو؟" اس نے احتیاطاً" آواز اور لہجہ بدل لیا۔

"آپ کون؟" نشق کی توقع کے عین مطابق وہ فوراً" ہی چونک گیا کہ اس کاذاتی گھر کا نام جاننے والی یہ خاتون کون ہے۔ جس نے رات کے انتہائی پہر فون کرکے اس کی خیریت پوچھی ہے۔

"ہم آپ کے چاہنے والے ہیں۔" نشق کا انداز بڑا ہی محبوبانہ قسم کا تھا۔ مقتضیٰ کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔

"فون کیوں کیا ہے؟"

"یہی بتانے کے لیے۔" اس نے برجستہ کہا۔

"غلط نمبر ڈائل کیا ہے۔ کسی اور کو فون کرو۔ یقیناً" کوئی اور تمہیں اچھا سامع مل ہی جائے گا۔" مقتضیٰ نے بہ مشکل اپنے اشتعال پر قابو پایا۔

"میں نے اپنے رائٹ مین کا' رائٹ نمبر ڈائل کیا ہے۔" وہ تکیہ گود میں دبوچے ترنگ میں آچکی تھی۔ آج اتنے دنوں بعد تو اس کی آواز سنائی دی تھی۔

"کون ہو تم؟" وہ شاید اتنی بے باک گفتگو سن کر تلملایا تھا۔

"بتایا تو ہے۔ تم سے محبت کرتی ہوں۔" اس کے لفظ لفظ میں سچائی کی مہک تھی۔ دوسری طرف مقتضیٰ کا دماغ گویا بھک سے اڑ گیا۔

"اگر تم اس وقت میرے سامنے ہوتیں تو تمہارے منہ پر دو جھانپڑ لگاتے تھے۔" وہ دھیمی آواز میں غرایا۔

"ایسے رانگ کالرز سے مجھے نبٹنا خوب آتا ہے۔"

"ویل' مکھن شاہ! تم کیا کرلوگے۔ ابھی فی الحال تو غصہ کروگے' چیخوگے' چلاؤگے۔ مگر مجھ سے محبت کرنے سے خود کو روک نہیں پاؤگے۔ میں تمہیں ڈسٹرب تو کرچکی ہوں۔ اسی طرح آئندہ بھی ڈسٹرب کرتی رہوں گی۔" اس کے ارادے بہت مضبوط تھے۔

"تم احمق لڑکیاں۔" مقتضیٰ نے ایک فحش سی گالی دی۔ پہلی مرتبہ نشق کچھ گڑبڑائی تھی۔

"اتنے مہذب بندے کے منہ سے ایسی گندی گالی۔ چھی چھی۔" اس نے ناگواری سے ٹوکا۔

"میرے بارے میں تمہیں شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔" مقتضیٰ نے طنزیہ کہا۔

"میں قطعاً" مہذب آدمی نہیں ہوں۔ مجھے شائستگی چھو کر بھی نہیں گزری۔ مجھے اخلاقی حدود کے تعین کا نہیں پتا۔ تمہیں بتایا تو ہے کہ میں نوٹی غلط بندہ ہوں۔" وہ ایک دم مزید کچھ بولتے بولتے رکا تھا۔

"تم نشق جہانگیر! اپنی سوسائٹی میں کوئی اپنے جیسا تلاش کرو۔ مجھے یہ محبت وحبت کے قصے اب متاثر نہیں کرتے۔" اس نے فون کریڈل پر پٹخ دیا تھا جبکہ نشق حق دق رہ گئی۔

صبح پھر گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے بغیر دیکھے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا کر کان سے لگایا تھا اور خود برش سے بال سنوارنے لگا۔

"صبح بخیر ہو مکھنی شاہ! جلدی اٹھ

گئے؟" دوسری طرف بڑی حیرانی سے پوچھا جارہا تھا۔ وہ نشق کی آواز سن کر تلملا گیا۔

"گاؤں میں صبح کا آغاز بہت جلدی ہوتا ہے۔ تمہاری وڈیری اماں کو جلدی اٹھنے والے لوگ پسند ہیں۔"

"نشق جہانگیر! مجبور مت کرو کہ مجھے تمہارے باپ کو تمہارے کرتوتوں کے بارے میں بتانا پڑے۔" وہ زہرخند ہوا۔

"پاپا نے مجھے اپنا لائف پارٹنر منتخب کرنے کا پورا اختیار دے رکھا ہے۔ اور میں انہیں بتا چکی ہوں کہ مجھے صرف تم ہی اچھے لگتے ہو۔ کروڑوں انسانوں کی بھیڑ میں سے میرے دل نے صرف تمہیں منتخب کیا ہے۔" اس کا لہجہ شگفتہ شگفتہ سا تھا۔

"بکواس بند کرو۔" اس نے غصے کے عالم میں ریسیور پٹخ دیا۔

آفس جاتے ہوئے مسلسل وہ نشق کے متعلق سوچ رہا تھا۔ چھ سات ماہ پہلے کالونی کی سڑک پر ٹکرانے والی نشق جہانگیر اس کے ضبط کا امتحان بن چکی تھی۔ وہ جو اپنے دل کے کواڑوں کو مضبوطی سے بند کرچکا تھا۔ اس صاف سلیٹ پر سے احلاء کا نام بھی اس نے کھرچ کر مٹا دیا تھا۔ اب صرف خالی مکان تھا اور بند دروازے تھے دل کے۔ اور وہ چاہتا تھا کہ نشق جہانگیر اپنے بڑھتے قدموں کو روک لے۔

آفس سے وہ ذرا جلدی اٹھ گیا تھا۔ اب اس کا رخ جہانگیر ٹالب کی فرم کی طرف تھا۔

اس وقت وہ نشق انڈسٹریز کے مالک جہانگیر ٹالب کے سامنے موجود تھا اور وہ اس کی پوری بات بہت تحمل اور ضبط کے ساتھ سن چکے تھے۔

"میری بیٹی کو ریجیکٹ کرنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" اس وقت وہ صرف ایک باپ تھے۔ اور ان کی نظروں کے سامنے نشق کا آنسوؤں سے تر چہرہ تھا۔ وہ تو خود مقتضیٰ سے عادل کے ذریعے بات کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

"اس سے بڑی کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ وہ مجھے پسند نہیں۔" وہ اپنے لہجے کی تلخی چھپا نہیں پایا تھا۔

"وہ تم سے محبت کرتی ہے اور خود کو تمہاری پسند کے سانچے میں ڈھال لے گی۔" کبھی کبھی والدین کو اولاد کی خاطر پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ بھی ایک ایسے ہی پل صراط سے گزر رہے تھے۔ ایک دفعہ پھر ان کی آنکھوں کے سامنے التجائیں کرتی روتی گڑگڑاتی نشق کا چہرہ آگیا۔ رات کو وہ بہت اپ سیٹ تھی۔ نہ جانے کیوں روئے جارہی تھی۔ وہ شاید اپنے حواسوں میں نہیں تھی' جب ہی تو باپ کے سامنے تمام اعتراف کرچکی تھی۔

"وہ مجھے اتنا اچھا لگتا ہے کہ میں گرم دوپہروں میں صرف اسے ایک نظر دیکھنے کی غرض سے نیرس پاگلوں کی طرح کھڑی رہتی تھی۔ اسے تنگ کرتی تھی۔ اسے ستاتی تھی تاکہ اس کی توجہ صرف میری طرف رہے۔ وہ کسی اور کے متعلق نہ سوچے' وہ صرف میرا ہو کر رہے۔ اس لیے پاپا کہ وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے' میں اس سے محبت کرتی ہوں۔"

نشق کی آنسوؤں سے بوجھل آواز نے ان کے دل کے بوجھ کو بڑھا دیا تھا۔ اور وہ بیٹی کے آنسوؤں کے سامنے خود کو بے بس سمجھنے لگے تھے۔

"وہ میرے ساتھ کبھی بھی ایڈجسٹ نہیں کرسکے گی' خصوصاً" گاؤں میں وہ کبھی بھی رہ نہیں پائے گی۔" اس نے بہت سوچ وبچار کے بعد ایک اور اعتراض اٹھایا۔

"تمہارا یہ اعتراض بھی بودا ہے۔"

"میرے اور نشق کے مزاج میں نمایاں فرق ہے۔" وہ جھنجلا گیا تھا۔

انہیں کیا بتاتا کہ وہ ایک وعدے کی پاسداری کررہا ہے۔ اور وہ ایک عورت سے کبھی بھی ہارنا نہیں چاہتا۔ اب احلاء کا حصول محبت اور پسند کے معاملے سے بہت آگے ضد اور انا کے حصار میں مقید تھا اور احلاء تک رسائی میں فقط تین ماہ باقی رہ گئے تھے۔ پیر شاہ نے جو تین سالوں کی حد بندی کی تھی اس کا اختتام ہونے والا تھا اور ابھی سے ہی مقتضیٰ کو جیت کے نشے نے

www.pkdigest.com

سرشار کر رکھا تھا۔ صرف اطلاع کو اپنے سامنے جھکانے کی خواہش تھی۔ سرخ لباس پہن کر اس کے کمرے میں اطلاع کی موجودگی اس کی سب سے بڑی شکست تھی اور وہ اس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اپنی توہین تو اسے قطعاً" گوارا نہیں تھی اور اطلاع نے اس کی توہین ہی تو کی تھی اسے ریجیکٹ کرکے، مقتضیٰ شاہ کو ٹھکرا کے۔ اس پل وہ خود بھول چکا تھا کہ اس نے اطلاع کے ساتھ کیا کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہفتے کی شام کو پیر شاہ کا بلاوا آگیا تھا۔ پورے تین سال بعد انہوں نے اپنے اس پوتے سے کلام کیا تھا۔ جس سے وہ کبھی بھی بات کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور تین سال پہلے وہ اسے اپنے کسی گناہ کی سزا ہی تو سمجھے تھے۔ درویش بابا کے سامنے شرمندگی اور خجالت کے باعث ان کا سر کبھی اٹھ ہی نہیں سکا تھا۔

وہ رات کے دوسرے پہر پیر شاہ کے حجرے میں پہنچا تھا۔ وہ بہت سرشار اور خوش تھا۔ اسے گویا یقین نہیں تھا کہ پیر شاہ اسے یوں اچانک بلا سکتے ہیں اور ان کا یہ بلاوا۔ اس بات کو ظاہر کرتا تھا کہ وہ اپنی تمام تر ناراضی بھلا چکے ہیں۔

"سلام سائیں!" اس نے خالص ان کے مریدین کے سے اسٹائل میں جھک کر ادب سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام' آؤ' بیٹھو ادھر۔" انہوں نے اپنے بستر پر اس کے لیے جگہ بنائی۔

"سائیں! وہاں شہر میں کوئی جہانگیر ثالب ہے نا' وہ آیا تھا ہمارے پاس' بہت پریشان تھا' اپنی بیٹی کی وجہ سے۔" انہوں نے بغیر تمہید کے بات کا آغاز کیا تھا اور مقتضیٰ کی تو گویا سانسیں تھم سی گئیں۔

"وہ ادھر آئے تھے؟" مقتضیٰ نے حیران ہو کر سوچا۔

"جانتے ہو جہانگیر ثالب کو؟" انہوں نے ناقابل فہم انداز میں کہا۔

"جی۔"

"بیٹیوں کے باپ کس لیے اس قدر مجبور ہو جاتے ہیں۔" ان کی نظروں میں عجیب سی کاٹ تھی۔

"میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے پیر شاہ!" وہ اس حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر یک دم اپنے ازلی جلالی لہجے میں بولا۔

"معاملہ کیسے نہیں بابا! کوئی بھی باپ' عزت دار' صاحب حیثیت خود سے اپنی بیٹی کے رشتے کی بات نہیں کر سکتا۔ کیا کیا ہے تم نے اس کی بیٹی کے ساتھ؟"

وہ بھی شاید پہلی مرتبہ تیز لہجے اور بلند آواز میں بولے تھے۔ ان کا چہرہ غصے سے تانبے کی طرح تپنے لگا۔

"تم ہماری اولاد ہو سائیں! کیسی شرم ناک حقیقت ہے۔ تم ہمارے مدنی شاہ کے لخت جگر نہ ہوتے تو ہم نے کبھی پلٹ کر تمہیں آواز نہیں دینی تھی۔ ہمارے آباؤ اجداد کی ہمارے جد امجد کی ریاضتوں' عبادتوں اور محنتوں کا یہ صلہ دیا ہے۔ ہم آج سے تین سال پہلے ہی تمہیں ظاہر باطن سے جان گئے تھے پھر بھی دھوکے میں آگئے۔ تمہیں تین سال کا وقت دیا تھا کہ اگر درویش بابا کی بیٹی کے قابل خود کو کر سکو تو دست سوال دراز کرنا مگر تم نے اپنے کے کا مان بھی نہیں رکھا۔ تم نے ہمیں دوسری مرتبہ ایک باپ کی نظر سے گرا دیا ہے۔"

"یہ سب بکواس ہے' جھوٹ ہے۔" وہ ان کی ڈھکی چھپی تمام گفتگو کا متن جان چکا تھا۔

"تین سال پہلے جو کچھ اطلاع کے ساتھ تم نے کرنے کی کوشش کی تھی' نہ وہ جھوٹ تھا نہ بکواس۔" وہ یک دم بھڑک اٹھے۔

"میں شرمندہ ہوں اپنے اس فعل کی وجہ سے۔" اس کا سر ندامت کے بوجھ سے جھک گیا۔

"اور میں آپ سے معافی بھی مانگ چکا ہوں۔"

"مگر معافی کا کیا فائدہ جب تم اپنی خو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"پلیز پیر سائیں! مجھے اور مت ذلیل کریں۔" وہ التجائیہ ہوا۔

"بابا! ذلیل و خوار تو ہم ہو چکے ہیں۔" ان کی آواز بھرا اٹھی۔ "جب شاہوں کی اونچی دیواروں والی حویلیوں میں کسی کی بیٹی کی عزت محفوظ نہ ہو تو اونچی دستار والوں کو شرم سے دنیا سے پردہ پوش ہو جانا چاہیے۔"

"پیر شاہ! کب تک مجھے میری غلطی کی سزا دیتے رہیں گے۔" وہ ملتجیانہ بولا۔

"جب تک تم اپنی غلطیوں کو دہراتے رہو گے۔" ان کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج قصر مقتضیٰ کی خواتین' جہانگیر ثالب کی بیٹی کا ہاتھ مانگنے گئی ہیں۔ ہم نے تمہاری شادی کی تاریخ طے کردی ہے۔ ان کے چہرے پر جلال کے سارے رنگ تھے۔

"نہیں' پیر سائیں! آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" مقتضیٰ کو یوں محسوس ہوا تھا گویا حجرے کی چھت اس کے سر پر آگری ہے۔

"میں اطلاع کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا۔ میری وجہ سے وہ بدنام ہوئی تھی' میں ہی اسے عزت دوں گا۔"

"اور جس کی عزت کو شہر میں تار تار کیا ہے اس کو؟" پیر شاہ کے چہرے پر گویا زلزلے کے آثار نمودار ہو گئے۔ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر لب بھینچ لیے تھے۔ مبادا یہ ذکر ان کے لہو کو کچھ اور مزید مشتعل نہ کرے۔

"پہلی چاند کی تاریخ کو ہم تمہارا عقد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہماری اس سفید پگڑی کو اور اچھال کر خاک میں مت ملانا سائیں! تیرے معاملے میں دل یوں بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے' ورنہ تجھے اپنے ہاتھوں..." وہ اٹھ کر برابر موجود کمرے کا کواڑ کھول کر اندر چلے گئے تھے۔ شاید ان کے ضبط کی طنابیں چھوٹ گئی تھیں۔

"دین دار عالم گھرانے کا چشم و چراغ اس قدر غلیظ اور کریہہ سوچ رکھنے والا نکلے گا، ہمیں تیرے وجود سے مقتضیٰ شاہ۔" تین سال پہلے اسی حجرے میں وہ اپنی ذات کا غرور کھو بیٹھا تھا۔ تین سال بعد بھی وہ اسی مقام پر کھڑا تھا۔

حدی شاہ کل بھی پیر شاہ کی نظر میں بہت اعلا خوبیوں کا مالک تھا اور مقتضیٰ آج بھی ان کے نزدیک بے کردار' نفس کا غلام اور ہوس پرست انسان تھا۔

اسے یوں محسوس ہوا تھا گویا اس کے دماغ کی شریان پھٹ جائے گی۔ وہ ایک مرتبہ پھر نافرمان' بے حس اور خود غرض کہلوانے سے خوف زدہ ہو گیا تھا۔ آگے گڑھا تھا اور پیچھے کھائی۔

☼ ☼ ☼

"وڈیری اماں صدقے جائے' کیا حسن ہے' کیا سوہنے نقش ہیں' میرے مکھن کی پسند' میری سوہنی دھی رانی' ادھر میرے پاس آکر بیٹھو۔" جمت بی بی کا انداز اتنا والہانہ اس قدر پرجوش اور تھا کہ نشق کا انگ انگ اپنی پذیرائی پر جھوم اٹھا۔ آج مقتضیٰ کی وڈیری اماں' پھپھی صاحب اور تین ملازمائیں شگن کی رسم کے لیے آئی تھیں۔ انہوں نے مایوں اور مہندی کے ڈریسز اس کی پسند سے خریدے گئے تھے۔ شام کو نکاح کی رسم تھی۔ اس کے بعد ایک وسیع ہال میں پرتکلف ڈنر کا اہتمام تھا۔ اسی ہال میں برات پہنچ چکی تھی۔

ساشا اور وہ بیوٹی پارلر سے سرشام ہی آگئی تھیں۔ اور اب وقفے وقفے سے ساشا اسے چھیڑ رہی تھی۔

"ملتان میں بہت گرمی ہے نشی!"

"کوئی پروا نہیں۔" آج وہ بے انتہا سرشار تھی۔ اس نے جسے چاہا تھا اسے پالیا تھا۔ اس کی پلکیں خوشنما خوابوں کے بوجھ سے لرزنے لگیں۔

"وڈیروں کے خاندان میں جا رہی ہو' دیکھو نشی! تمہیں خود کو بہت بدلنا پڑے گا۔ وہاں نہ پاپا ہوں گے' نہ ناز نخرے اٹھانے والی ساشی ہوگی اور مجھے تو مقتضیٰ بھائی بھی بہت روڈ اور خشک مزاج سے لگتے ہیں۔ میرے منہ میں خاک' سارے واہمے اللہ کرے

www.pkdigest.com

جھوٹے ہوں اور تم مقتضیٰ بھائی کے سنگ ہنستی مسکراتی رہو۔" ساشی نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ اسی پل دھاڑ سے دروازہ کھلا تھا۔ آبگینے اور روشانے سجی بنی سی دوڑتی ہوئی آگئیں۔

"نشی آپی! آپ کتنی بیوٹی فل لگ رہی ہیں۔" آبی گویا اسے دیکھتے ساتھ ہی فدا ہوگئی۔

"آپی تو شروع سے ہی پیاری ہیں۔"

"آپی! آپ چلی جائیں گی۔" آبی ٹھنکی۔

"ہمارے ساتھ کرکٹ کون کھیلے گا۔" روشی نے اداسی سے کہا۔

"بائیک پر کون گھما کر لائے گا۔" آبی کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو اتر آئے تھے۔ وہ دونوں ہی نم آنکھوں سے مسکرا دیں۔

"جانو! میں آپ سے ملنے آیا کروں گی؟" اس نے دونوں کے گال تھپتھپائے۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ہال میں پہنچ گئیں۔ جہاں بے شمار رسموں کی ادائیگی کے بعد رخصتی کا شور اٹھا تھا اور وہ دھڑکتے دل کے ساتھ پاپا کی ڈھیروں دعاؤں کے سائے تلے رخصت ہوگئی۔

★★★

انجانے راستے' نئی منزل اور روٹھا روٹھا سا ہم سفر۔ اس کا دل نہ جانے کن کن خدشوں کے تحت لرز رہا تھا۔ مقتضیٰ کے واضح انکار کے بعد پھر یوں اچانک مان جانا۔ جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ تھا۔ اسے یہ جاننے کی بہت بے چینی تھی کہ آخر یہ کایا پلٹ ہوئی کیسے۔ مقتضیٰ کس طرح شادی کے لیے رضامند ہوا ہے۔ شاید میری محبت نے اسے شکست دے دی ہے۔ اس کا دل پہلو میں اٹھکھیلیاں کر رہا تھا۔

طویل تھکا دینے والے سفر کے بعد گاڑی کچے پکے راستوں سے ہوتی ہوئی پھر سے بل کھاتی رواں سڑک پر دوڑنے لگی۔ اونچے اونچے طویل درخت گہری رات میں عجب سے بھیانک دکھائی دے رہے تھے۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی تھی۔ سامنے دربار عالیہ کی عظیم الشان سبز گنبد والی عمارت اندھیرے میں جگمگا رہی تھی۔ حجرے کا دروازہ کھلا تھا اور ایک بڑے رعب داب والے بلند قامت بزرگ حجرے سے باہر نکلے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اور قدرے جھک کر دلہن بنی نشق کے سر پر دست شفقت رکھ کر دعا دی۔

"رب سائیں سکھی رکھے' آباد شاد رہو۔"

نشق کو ان کے لمس سے عجیب سی اپنائیت کی مہک آنے لگی تھی۔ یہ کیسا احساس تھا جسے کوئی نام نہیں دے سکی تھی۔ ٹھنڈا' میٹھا' روح کو سرشار کرنے والا' اس نے تھوڑا سا سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ ان کے سرخ سفید چہرے پر سفید دودھیا داڑھی اور ماتھے پر نماز کا نشان' کسی قدر نورانی چہرہ تھا۔ وہ عارفوں اور صادقوں میں سے تھے۔ جو اللہ کی سچی بندگی میں عمر تمام کر دیتے ہیں۔

پیر شاہ والیں اپنے حجرے کی طرف بڑھ رہے تھے' اس نے تھوڑا سا گردن کو موڑ کر دیکھا۔ مسجد کے سفید میناروں سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ اور مجاور بڑے دل سے' بڑے سوز کے عالم میں شعر پڑھ رہا تھا۔

تیرے عشق نے مالا مال کیا ترے عشق نے
نہ یہ پوچھ کہ کیا میرا حال کیا ترے عشق نے

مجاور کی آواز میں سوز تھا' گداز تھا' نمی تھی' آنسوؤں کی آمیزش تھی' چاہ تھی' عشق تھا' محبت تھی۔

گاڑی اب ایک جھٹکے سے قصر مقتضیٰ کے طویل عریض لوہے کے پھاٹک سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ قصر مقتضیٰ کی بیرونی دیواروں تک کو رنگ برنگی جگمگاتی روشنیوں سے سجایا گیا تھا۔ احاطے میں لگے درخت' پودے ان ہی ننھی منی روشنیوں سے سجے جگمگا رہے تھے۔

اسے مفرح اور مشوار نے تھام کر گاڑی سے باہر نکالا۔ مقتضیٰ تو ان کی گاڑی میں تھا ہی نہیں۔ مقیت نے اسے بتایا تھا کہ وہ پجارو میں آرہا ہے۔

بڑے سے منقش لکڑی کے بھاری دروازے کو دھکیل کر کھول دیا گیا تھا اور ڈھیروں گلاب کی نرم ملائم ریشمی پتیاں بارش کی مانند اس پر برستی چلی گئیں۔

"اس قدر والہانہ' پرجوش استقبال۔" نشق کے دل کی رفتار کئی گنا بڑھ گئی۔ اندر تو گویا روشنیوں اور رنگ و بو کا ایک سیلاب موجود تھا۔ سرخ و بیز قالین کے اردگرد کھڑی لڑکیاں ہاتھوں میں موتیے کی کلیاں پکڑے کھڑی تھیں۔ بے حد حسین اور خوشنما ماڈرن چہرے' کھلکھلاتے' جگمگاتے' مسکراہٹیں بکھیرتے۔

اس نے پہلا قدم اٹھایا ہی تھا جب وڈیری اماں اور مہرانو بڑے بڑے تھال پکڑے آگئیں۔

"سو بسم اللہ' میری سوہنی دھی کا مبارک قدم پڑا ہے۔ اس پر باری باری ہاتھ رکھ۔" انہوں نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم کر تھال اس کے سامنے کر دیے تھے۔ اس نے ان کے حکم کے مطابق سرخ رومال سے ڈھکے دونوں تھال دیکھ کر ان پر ہاتھ رکھے' جنہیں وڈیری اماں اب دھوری کو پکڑا رہی تھیں۔

"امام مسجد کے گھر بھجوا دے' ایک تولہ سونا' ایک تولہ چاندی اور کچھ تانبے کے سکے اور قیمتی پوشاک ہے۔ یہ ہماری خاندانی رسم ہے دھی رانی!" دھوری کو حکم دے کر وہ اب اس سے مخاطب تھیں۔ نشق ان رسومات سے خائف نہیں ہوئی تھی' بلکہ وہ تو خوب انجوائے کر رہی تھی اور بے اختیار سوچے جا رہی تھی۔

"کیا میں ان لوگوں کے لیے اتنی اہم ہوں۔"

"مکھنی کو بلا کر لاؤ۔ تاکہ باقی رسمیں اس کی موجودگی میں ادا کی جائیں۔" مہانے رمزی کو مردانے میں بھجوایا۔

"سائیں نہیں آتے' اپنے دوست' یاروں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔" رمزی' مہرانو کے قریب دھیمی آواز میں بولی۔

"بول اسے وڈیری اماں بلا رہی ہیں۔" مہرانو نے جھڑک کر کہا۔ کچھ دیر بعد رمزی پھر آکر دھیرے سے منمنائی۔

"سائیں غصہ کرتے ہیں۔"

"آپو صاحب! مکھنی کو بلائیے۔" مہرانو نے بلند آواز میں وڈیری اماں سے کہا تھا۔ کچھ دیر بعد مقتضیٰ اپنے بھائیوں کے جلو میں اندر داخل ہوا۔

"خالص زنانہ رسموں میں میرا کیا کام۔" مقتضیٰ کی ناگوار روکھی پھیکی سی آواز نشق کے دل میں نشتر چبھو گئی۔

"یہاں سے ہی تو آپ کا اصل کام اسٹارٹ ہو رہا ہے بھایا! آپ ابھی سے رسیاں تڑانے لگے ہیں۔" مقارب نے شرارت سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

نشق بہت زیادہ تھکن کے باوجود فریش تھی۔ مگر وہ مقتضیٰ کی مسلسل خاموشی کی وجہ سے ضرور پریشان تھی۔ وہ یوں ساتھ کھڑا تھا گویا ذہنی طور پر وہاں موجود ہی نہ ہو۔

بائیں سیڑھیاں عبور کر کے وسیع ہال میں داخل ہو گئے تھے' جس کے بڑے سے آہنوسی دروازے کے سامنے احلاء کھڑی تھی۔ مقتضیٰ نے نگاہ اٹھائی اور گویا پتھر ہو گیا۔ سرخ شیفون کے دیدہ زیب سوٹ میں بھاری زیور پہنے' براؤن ریشمی بال کھولے وہ بہت غرور کے عالم میں کھڑی تھی۔ اور پھر سج سج قدم اٹھاتی ان کے قریب چلی آئی۔ اس نے مقتضیٰ کی طرف ایک نگاہ غلط بھی نہیں ڈالی تھی۔ وہ دلہن بنی نشق کی طرف متوجہ تھی۔

"آئی ایم احلاء حدی شاہ' اس نے اپنا نازک ملائم ہاتھ نشق کی طرف بڑھا دیا تھا۔ مقتضیٰ کے پیروں تلے سے زمین یک لخت گویا سرک گئی تھی۔ اسے اک پل کے لیے یوں محسوس ہوا تھا گویا وہ دوسرا سانس بھی نہیں لے پائے گا۔ اس کی رنگت پل بھر میں متغیر ہوئی تھی اور آنکھوں میں دھیرے دھیرے سرخیاں اترنے لگیں۔

"نائس ٹو میٹ یو۔" نشق نے خوش دلی سے پرجوش انداز میں اس کا ہاتھ دبایا۔

"مائی ہارٹیسٹ میرڈ کریٹنگ ٹو یو۔" اب احلاء نے اپنی گہری براؤن آنکھوں کو مقتضیٰ کے فق چہرے پر جما دیا تھا۔ ان آنکھوں میں نفرت اور اہانت کے علاوہ کوئی رنگ مقتضیٰ کو دکھائی نہیں دیا تھا۔ ایک دم اس کا دل سینے میں پھڑپھڑایا تھا۔

اور وہ لڑکیوں کا حصار توڑتا ہوا الٹے قدموں پل بھر

www.pkdigest.com

میں سیڑھیاں اترتا باہر نکلتا چلا گیا۔ مما اور وڈیری اماں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟"

"کوئی کام یاد آگیا ہوگا؟" مما کچھ دیر بعد لاپروائی سے شانے اچکاتے ہوئے بولیں۔

"کام اس وقت؟" وڈیری اماں مطمئن نہیں تھیں۔

"سمجھا کرو نا آپو صاحب! مکھنی کے یاروں نے اپنے ہٹ پر کوئی محفل سجا رکھی ہے۔ یہ ہی تو بچوں کے شغل کے دن ہیں۔ انجوائے کرنے دو۔" مہربانو بہ وقت ضرورت حد سے زیادہ براڈ مائنڈڈ ہو جاتی تھیں۔

"آج کی رات مکھنی گھر نہیں آئے گا۔"

"اور وہٹی؟" وہ ہراساں سی نظر آنے لگیں۔

"وہ وڈیروں کی مصروفیات کے متعلق جانتی تو ہوگی۔ دونوں کی محبت اور پسند کی شادی ہے۔ یہ اب ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ سو ہمیں مداخلت کی ضرورت نہیں۔" مہربانو نے ہاتھ جھاڑے۔

"کیا تمہیں نہیں لگتا آپو صاحب! کہ یہ دوسرا زوار شاہ ہے۔ ویسا ہی اکھڑ اور من مانی کرنے والا۔"

"ہونہہ! ہمارا پتر زوار شاہ کی طرح نافرمان نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی کنجری پر عاشق ہوا ہے۔ نشق ہماری نوں بڑے عزت دار باپ کی اولاد ہے۔ معاشرے میں اس کے باپ کا ایک نام ہے' پہچان ہے' شناخت ہے' بے شناخت خاندان سے لڑکی بیاہ کر نہیں لائے۔" وڈیری اماں نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"پتر تو ہمارا دین داری پر فریفتہ تھا۔ نہ جانے کب عقل میں بات سمائی تھی کہ پیر شاہ سے لڑ جھگڑ کر چلا گیا تھا اور اعلاء کی بھی نیا پار لگی۔ شکر کیا تھا پیر شاہ نے اسے حدی کے کھونٹے سے باندھ دیا ہے' ورنہ اس جادوگرنی نے نہ جانے اور کس کس پر سحر پھونکنا تھا۔ شکر ہے مقیت اور متارب کم کم ہی گوٹھ آتے ہیں۔" مہربانو نے کچھ ماضی کے حوالے سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے بعد تشکر بھرا سانس خارج کیا۔

"بس... ہولی بول۔ اعلاء کو ایسا بولنے پر پیر شاہ پھر سے جلال میں نہ آجائیں۔ دیواریں بھی کان رکھتی ہیں۔" وڈیری اماں نے دہل کر انہیں ٹوکا۔ اب وہ دونوں کل ہونے والے ولیمہ کے فنکشن کو ڈسکس کرنے لگی تھیں۔

"ارے بھرجائی کو بیٹھنے تو دو' بے چاری تھک گئی ہوگی۔" مقسط کو ایک دم نئی بھرجائی پر ترس آگیا۔

"وڈی بھرجائی سے تحفہ تو لے لیں۔" متارب نے ان سب کی توجہ اعلاء کے ہاتھ میں موجود مخملی زیور کے ڈبے کی طرف مبذول کروائی۔ "وڈی بھرجائی! ہم بھی دیکھیں اس میں کیا ہے۔" بہت سی آوازیں یک لخت ابھریں۔

"یہ تحفہ میں نشق کو الگ سے دوں گی۔" اعلاء نے ان سب کے ارمانوں پر اوس گرادی۔

"اس میں ہے کیا؟" مقسط نے تجسس سے بھرپور انداز میں پوچھا۔

"کوئی زیور ہی ہوگا۔" مقیت کی کسی کزن حنا نے یقین سے کہا۔

"ایسی بھی کیا پردہ داری ہے۔ دکھاؤ بھرجائی!" حنا کی بہن روا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"ایم سوری! یہ تو میں نشق کو ہی دوں گی۔" اعلاء کے لبوں پر مسکان یا شوخی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ گہری کاٹ دار سنجیدگی تھی۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی۔ مفرح' مشوار اور عشنا کوئی بھی اس وقت موجود نہیں تھی۔ اعلاء کے لبوں پر اک زہریلا تبسم نمودار ہوا تھا۔

ان کے شاید گمان میں بھی نہیں تھا کہ پورے تین سال بعد اعلاء ایک مرتبہ پھر قصر مقتضیٰ میں چلی آئے گی۔ مفرح اور عشنا کے تنفر اور گریز کی وجہ سمجھ میں آتی تھی۔ وہ بھی اسیر محبت تھیں۔ حدی شاہ کے لیے ان دونوں کے دلوں میں بھی کوئی نہ کوئی قندیل ضرور روشن تھی' جبھی تو حدی شاہ اور اعلاء کے نکاح کی خبر نے ان دونوں کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔

مفرح بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی' البتہ عشنا کے دل کا بھید اس پر آشکار ہو گیا تھا اور خصوصاً

اس وقت جب ہزیرہ فاطمہ ایک رات چپکے سے درویش بابا کے دروازے کا کواڑ کھول کر چلی آئیں۔ وہ اسے پیر شاہ کے سامنے انکار کر دینے پر اکساتی رہی تھیں۔ غصے اور دھمکی کے باوجود جب اس پر اثر ہوتا دکھائی نہ دیا تو انہوں نے اسے غلیظ گالیوں سے نوازنا شروع کر دیا۔

"ہمارے ٹکڑوں پر تمام عمر پلتی رہی ہے۔ تجھے سونے کا نوالہ کھلایا ہے۔ اعلا ترین درس گاہوں سے تعلیم حاصل کرتی رہی ہو۔ کچھ تو نمک حلالی کر لے بدبخت! حدی شاہ کا پیچھا چھوڑ دے۔ بلکہ باپ سے کہہ تجھ غلاظت کی پوٹ کو اٹھا کر کسی اور بستی روانہ ہو جائے۔ آوارہ' غلیظ اور بے شرم عورت دس راتیں باہر گزار کر آئی ہے۔ پھر بھی حدی شاہ جیسے اعلا' بااخلاق اور باکردار بندے کی خواہش کرتی ہے۔ تجھے تو شرم سے ڈوب مرنا چاہیے۔" ہزیرہ فاطمہ کا سارا زہر اعلاء کے وجود میں سرائیت کر چکا تھا اور ابھی تک ان زہر میں بجھے لفظوں کے نشتر اس کے دل میں پیوست تھے۔

"بھرجائی! ایسا سوچنے لگی ہو۔" مقیت نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرائے۔ نشق کو مقتضیٰ کے کمرے میں لے جایا گیا تھا۔

"اپنے وجود پر لگے گھاؤ یاد آگئے تھے۔" وہ اذیت سے لب کچلنے لگی۔

"حدی لالہ نہیں آئے؟"

"کل آئیں گے۔"

"کم از کم انہیں بھایا کی خوشی میں تو ضرور آنا چاہیے تھا۔" مقیت نے اک عام سا تبصرہ کیا تھا۔ اعلاء اسے کیا بتاتی کہ حدی شاہ کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ وہ قصر مقتضیٰ میں قدم رکھے۔ وہ مقیت کو یہ بھی نہیں بتاسکی تھی کہ وہ خود اس گھر میں آخری مرتبہ دل پر چکی کے پاٹ رکھ کر آئی ہے۔ اس نے تین سال سے اٹھائے اس بوجھ کو' بے سکونی اور اضطراب کو' ذلت اور غلاظت کو' نفرت اور حقارت کو مقتضیٰ شاہ کے سپرد کرنا تھا۔ اس کی جھولی میں ڈالنا تھا۔ جس برزخ میں تین سال پہلے مقتضیٰ نے اسے پٹخا تھا۔ اب ہمیشہ برزخ کے لیے مقتضیٰ شاہ کو اسی دوزخ میں جلنا تھا۔ تمام عمر انگاروں پر لوٹنا تھا۔

"آج کے بعد مقتضیٰ شاہ کی دلہن کی آنکھ میں اس کے لیے کبھی چاہت نہیں ہوگی' کبھی چاہ نظر نہیں آئے گی۔ نشق کی حسین آنکھوں میں اب محبت نہیں صرف نفرت کا سمندر ٹھاٹھیں مارے گا۔ کیسے برداشت کر پاؤ گے مقتضیٰ شاہ اپنی شریک سفر کی بے انتہا' بے حساب نفرت کو' تم نے کیسے سوچ لیا ہے کہ مجھے برباد کر کے خوش رہ پاؤ گے؟" وہ بے اختیار سوچے جا رہی تھی۔ حدی اسے آنے نہیں دے رہا تھا' جبکہ وہ اسے اپنے ہونے والے بچے کی قسم دے کر آئی تھی۔ مقتضیٰ کی اس جیت کو شکست میں بدلنے کے لیے۔

وہ اپنے مخصوص کمرے میں جا چکی تھی۔ جو اسے پیر شاہ نے عنایت کیا تھا۔ اب وہ نشق کا کمرہ خالی ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی۔ نشق کے کمرے سے قہقہوں اور ہنسی کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ اعلاء کا دل گویا اذیت سے کٹ کٹ کر گرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

اس کے ذہن میں گویا آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔ دماغ میں سے گرم دھوئیں کی لپیٹیں نکل رہی تھیں۔ وہ لب بھینچے بہت ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ مگر اعلاء کی تمسخرانہ آواز ہوا کے دوش پر لہراتی ہوئی اس کی سماعتوں میں زہر انڈیلنے لگتی۔

اس کی نگاہوں میں دھول چھنٹنے لگی تھی۔ آنکھوں میں سے لہو پھوٹنے لگا تھا۔ دور سے فارم ہاؤس کی عمارت نظر آنے لگی تھی۔ درختوں کے جھنڈ میں سفید عمارت' عجیب پراسرار دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے جیپ کا دروازہ بند کیا اور خود گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ اردگرد سے بے نیاز سیدھا اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ چوکیدار اس وقت سو چکا تھا۔ ہر طرف سناٹے تھے' خاموشی تھی' ایسے ہی سناٹوں کا شور اس کے دل میں موجزن تھا اور شور میں دبی دبی اعلاء کی سسکیاں'

www.pkdigest.com

اس کے آنسو، التجائیں اور اس کے پیروں میں گر کر گڑگڑانا، سب یاد تھا اسے، کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا۔ مگر ایک دفعہ بھی اسے اپنی زیادتی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ جب بھی سوچا، اعلاء کو ہرانے کے متعلق اسے شکست دینے کے متعلق ہی سوچا۔ اگر ایک مرتبہ ضمیر کے کواڑ کھول کر دیکھتا تو جان جاتا کہ شکست سے دوچار تو اس نے اسی فارم ہاؤس کی چھت کے نیچے اسے کر دیا تھا۔ اعلاء کے پاس بچا ہی کیا تھا۔ کسی بھی عورت کے پاس عزت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتی اور وہ اپنی عزت، وقار اور خودی کو اس متکبر اور مغرور شخص کے قدموں میں رول چکی تھی۔

آج بڑی بھاری رات سید مقتضیٰ شاہ کے دل پر اتری تھی۔ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ مفرح کا سرپرائز اعلاء حدی شاہ ہوگی۔ اعلاء اور حدی کی شادی کب ہوئی؟ اور دوسری اماں اور مما نے کوئی اعتراض بھی کیا؟ اور پیر شاہ کیسے مانے تھے؟ کیا حدی اس سے ہر لحاظ سے برتر تھا؟

اور اس کا جواب اس سرسراتی رات میں پوشیدہ اور اعلاء ورویش کی زہر میں بجھی آواز نے دیا تھا۔

"تم ظالم، جابر، خودپرست انسان اپنے ظلم کی ہر انتہا دکھا چکے ہو۔ اپنا مقابلہ حدی سے مت کیا کرو۔ تم گندے گدھ ہو اور حدی شاہ خیرپور کی بستی میں اترنے والا چاند ہے۔ جس نے میرے دل کے جھروکوں میں بسیرا کر رکھا ہے۔" وہ اس کے قریب ہی تو چلا رہی تھی۔ رو رہی تھی۔ اس کا جسم جھٹکے کھا رہا تھا۔ اسے جسم کی طلب تھی یہ جسم اب اس کی دسترس میں تھا۔ وہ سوچوں میں بہتا دور بہت دور تین سال پہلے بھاروں کی اس دوپہر کو سوچنے لگا تھا۔ جب اس نے اعلاء اور حدی شاہ کو آم کے درخت کے نیچے دیکھا تھا اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوتی چلی گئیں۔

"ایک تو یہ حدی کو بھی ہر وقت ہمدردی کا بخار چڑھا رہتا ہے۔" وہ جانتا تھا کہ پیر شاہ، حدی کو اعلاء کا خیال رکھنے کی تاکید کر کے گئے ہیں اور حدی ان کی ہر بات کو اپنے لیے حکم سمجھتا تھا۔ اس فرمانبرداری کی وجہ سے پیر شاہ کو اپنے اس پوتے سے خصوصی انسیت تھی اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا یہ پوتا حقیقی رشتوں کی موجودگی کے باوجود بہت سی محبتوں سے محروم تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے اندر کسی بھی قسم کی تشنگی نمو پائے۔

وہ رات کو شہر سے آیا تھا اور آج اس کا ارادہ تھا کہ وہ اعلاء سے دوٹوک بات کرے گا۔ ناشتے کے بعد وہ اعلاء کو ڈھونڈتا ہوا چلا آیا۔ خسروی انگیٹھی میں کوئلے دہکا کر بھٹے سینک رہی تھی۔ مقتضیٰ سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔

"خسروی مائی! اعلاء کدھر ہے؟"

"سائیں! اعلاء تو چھوریوں کے اسکول میں گئی ہے۔" خسروی نے چمٹے سے گرم گرم بھٹے کو اٹھا کر چنگیر میں رکھا۔

"کیوں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔ کیونکہ اعلاء میتھ میں ماسٹرز کر چکی تھی۔ ان دنوں وہ رمزی کے بچوں کو میتھ پڑھا رہی تھی۔ جو کہ میٹرک اور فرسٹ ایئر میں زیر تعلیم تھے۔ ایک دن وہ نوکروں کے کوارٹرز کے قریب سے گزرا تو اس نے اعلاء کو انہیں پڑھاتے دیکھا تھا۔

اس کے علاوہ بھی اس نے کئی مرتبہ اعلاء کو بچوں کو تعلیم کی افادیت پر لیکچر دیتے اور پڑھاتے دیکھا تھا۔

"چھوریوں کے اسکول میں اعلاء کی نوکری لگی ہے۔ تیرے کو نہیں پتا سائیں!" خسروی نے اپنے پچکے گالوں پر سے بہتا پسینہ پونچھا۔

"نہیں۔ میرے کو نہیں پتا۔ ادھر کی باتیں میرے کو نہیں بتاتے، پیر شاہ کی نظر میں میری کوئی عزت جو نہیں۔" وہ خسروی کے اسٹائل میں جواب دیتا جانے کو مڑا۔

"سائیں! بیٹھ تیرے کو دوں؟"

"نہ مائی! یہ میرے ٹیسٹ کا نہیں۔"

"کیا بولا سائیں؟"

"کچھ نہیں۔" وہ واپس پلٹ کر سیدھا پورچ کی طرف آیا تھا۔ اپنی ہنڈا اکارڈ میں بیٹھ کر کچھ ہی دیر بعد وہ شہر جا رہا تھا۔ اسکول کی عمارت کے سامنے گاڑی

روک کر اس نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کیا تھا تب کہیں جا کر اعلاء اسکول سے نکلتی دکھائی دی۔

"ہائے اعلاء! میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" اپنے دائیں جانب سے آتی اس مانوس مردانہ آواز کو سن کر وہ جھٹکے سے رک گئی۔ اسے گویا یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے اسکول کے سامنے مقتضیٰ شاہ کھڑا ہے اور اس سے ہی مخاطب بھی ہے۔

"کیا روزانہ اسی وقت فارغ ہوتی ہو۔ میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے سے یہاں کھڑا ہوں مگر تمہارے گیٹ میں سے نکلنے کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ کیا آج اس قدر دیر سے آئی ہو۔ یا اسکول کی ٹائمنگ ہی یہی ہے۔" اس کے لہجے میں بے پناہ اپنائیت تھی۔

"آؤ بیٹھو۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا۔

"شکریہ میں رکشے سے چلی جاؤں گی۔" وہ سنبھل کر سرد آواز میں کہہ کر آگے بڑھنے لگی۔

"پلیز اعلاء! کیسی غیروں جیسی بات کر رہی ہو۔" مقتضیٰ ناراضی سے گویا ہوا۔

"دیکھو لوگ ہماری طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔"

"میری بلا سے۔"

"کم آن اعلاء!۔" اب کہ وہ گھوم کر اس کے سامنے آیا تھا۔ اعلاء نے دیکھا کہ ارد گرد کے لوگ متوجہ ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھ رہے ہیں۔ کچھ سوچ کر واپس پلٹ آئی تھی اور بیک ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔

"اعلاء ڈیر! میں آپ کا ڈرائیور تو نہیں ہوں۔" اس نے بیک مرر سے اعلاء کے سلونے چہرے کی طرف دیکھ کر شرارت سے کہا۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" وہ تلخی سے سوچتی رہی تھی یہاں تک کہ "قصر مقتضیٰ" کے پھاٹک کے سامنے گاڑی رک گئی۔

☆ ☆ ☆

"ایک التجا کی تھی۔ کوئی ٹھوس جواز نہیں پیش کیا تم نے۔" اگلے دن مقتضیٰ سیدھا اعلاء کے رہائشی حصے کی طرف آ گیا تھا۔

"آپ بھی سائیں! سارے ضروری کام چھوڑ بیٹھے ہو۔ میں تو اتنی عام سی ہوں۔ آپ کو شہر میں مجھ سے اچھی لڑکیاں مل جائیں گی۔" وہ جھاڑو لگا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر موڑھا اٹھائے آ گئی۔

"اتنی لڑکیوں کا میں نے مرثیہ ڈالنا ہے یا! مجھے تو ایک سے ہی شادی کرنی ہے اور تم ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہو۔"

"پرفیکٹ تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔ نہ میں نہ آپ۔" اس نے عام سے لہجے میں بڑی گہری بات کی تھی۔

"مگر میرے دل کو تم بھا گئی ہو۔" وہ بڑی نرم گرم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"پیر شاہ کی واپسی کچھ دنوں تک متوقع ہے۔ میں ان سے جلد بات کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ایکچوئلی! اب میں اپنی لائف میں سیٹ ہو چکا ہوں۔ بزنس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں اور شوگر مل کا تمام انتظام حدی کے سپرد ہے سو میں نے ایک تعلیمی ادارے کو چلانے کے متعلق سوچا ہے مگر اس کام میں بھی میرا دل نہیں لگا۔ خیر دل کی کیا بات ہے۔ اس نے تو مجھے خوار کر چھوڑا ہے۔ تمام ضروری کام بھاڑ میں جھونک کر یہاں ڈیرہ لگائے بیٹھا ہوں۔"

"اب آپ کیا چاہتے ہیں؟" وہ گویا زچ ہوا تھی۔

"تمہاری طرف سے اقرار۔"

"زبردستی کے سودے خوشی نہیں دیتے۔"

"میں دعوا کرتا ہوں کہ تم بہت خوش رہو گی میری ہمراہی میں۔" اس کے لہجے میں یقین بول رہا تھا۔

"میں کیسے خوش رہ سکتی ہوں ایک بدکردار، آوارہ آدمی کے ساتھ۔" اعلاء چیخ پڑی۔ اتنے دنوں کا لاوا گویا پھٹ پڑا تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ۔" مقتضیٰ نے حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر تلخی سے پوچھا۔ "کیا پروف ہے تمہارے پاس ان گھٹیا الزامات کے بارے میں؟"

www.pkdigest.com

"مجھ پر چیخ چلا کر آپ ان الزامات سے بری نہیں ہو جائیں گے۔" وہ بھی جواباً تلخی سے بولی۔

"تمہیں کسی نے گھٹیا انفارمیشن دی ہے۔"

"میرا اور آپ کا مزاج نہیں ملتا سائیں! بہتر ہے ہم اس موضوع کو ہمیشہ کے لیے کلوز کر دیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر نرم لہجے میں کہا۔

"تم ہو کیا چیز؟" وہ فوراً ہی بھڑک اٹھا۔

"میں بہت حقیر ہوں۔" اطلاء نے عاجزی سے کہا۔

"تم نے میرے لیے بڑے غلط الفاظ استعمال کیے ہیں۔ تمہیں میرے مزاج سے ابھی واقفیت نہیں۔" وہ پھنکارا۔

"جائیے سائیں! کسی اور پر یہ رعب جھاڑنا۔ اطلاء درویش آپ کے رعب میں آنے والی نہیں۔" اس نے حقارت سے کہا۔

"تم... بہت نقصان اٹھاؤ گی اطلاء!" وہ غرا کر موڑھے کو ٹھوکر مارتا کھڑا ہو گیا۔

"آپ جیسے کمزور نفس کے مرد کبھی بھی میرا آئیڈیل نہیں رہے سائیں! خوا مخواہ غصہ مت کریں۔ آپ نے مجھ سے "ریزن" مانگا تھا۔ سو آپ کے سوال کا یہ جواب ہے۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"تم بار بار میری توہین کر رہی ہو۔ میرے ضبط کا امتحان مت لو۔"

"آپ نے جو کرنا ہے شوق سے کیجیے۔ مجھے کوئی پروا نہیں۔"

"پچھتاؤ گی اطلاء! بہت پچھتاؤ گی۔ اب بھی معذرت کر لو۔ اپنے الفاظ واپس لو۔ سوری کہہ دو۔ میرا دل تمہارے معاملے میں بہت وسیع ہے۔" مقتضیٰ کا غصہ لمحے بھر کو جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"میں منافق نہیں ہوں۔ نہ منافقت بھری زندگی گزار سکتی ہوں۔ میری کوئی بہت بڑی بڑی خواہشیں نہیں ہیں۔ نہ میں بہت حسین ہم سفر کی طلب رکھتی ہوں، نہ میں بہت دولت کی آرزو کرتی ہوں۔ میری چھوٹی سی خوابوں کی دنیا ہے۔ وہاں آپ جیسے اعلا اور اونچے منصب والے لوگوں کا گزر نہیں ہو سکتا سائیں!" وہ بے اختیار ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"تم نے مجھ پر غلط بہتان لگائے ہیں۔" مقتضیٰ ہر صورت اس کا دل صاف کرنا چاہتا تھا۔ اطلاء اٹھ کر کسی کمرے میں چلی گئی تھی۔ مقتضیٰ کافی دیر سے اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرتا رہا تھا پھر غصے سے بلبلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

دو تین دن بعد مقتضیٰ کا غصہ اتر گیا تھا۔ وہ ایک مرتبہ پھر اسے قائل کرنا چاہتا تھا مگر اطلاء کہیں دکھائی نہیں دی۔ یہ اسی شام کی بات ہے۔ اس نے وڈیری اماں کے سامنے اپنی پسند کا اظہار کر دیا تھا اور اطلاء کی طرف سے واضح انکار نے مقتضیٰ کو سرتاپا سلگا دیا۔

گول کمرے میں وڈیری اماں کے سامنے وہ اس کے کردار اور انا کے بت کو پاش پاش کرتی اسے دھتکار کر چلی گئی تھی۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں۔ ایسی وجاہت اور دولت و حشمت پر۔ میں لعنت بھیجتی ہوں ایسے نفس کے مطیع مردوں پر۔ مجھے مقتضیٰ شاہ کل بھی ناپسند تھا۔ آج بھی ہے۔ میں اسے کل بھی بے کردار سمجھتی تھی۔ آج بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ مجھے کسی عیاش سید زادے کا ساتھ گوارا نہیں۔"

اس قدر اہانت اور تذلیل پر مقتضیٰ کی سانس منتشر ہو گئیں۔ وڈیری اماں، ماما اس کی بہنیں، پھپھی صاحبہ اور گھر کے ملازمین کے سامنے درویش بابا کی اطلاء اسے دو کوڑی کا کر کے چلتی بنی۔

اس کے اندر ایک دم غصے اور نفرت کا الاؤ اٹھا تھا جو سب کچھ جلا کر راکھ کر گیا۔ اس نے اطلاء درویش کو اس کی اپنی نظر سے ہی نہیں پورے "مقصر مقتضیٰ" والوں کی نظر سے بھی گرا دیا تھا۔ اس نے اپنی توہین کا بدلہ لے لیا تھا۔ اس کے بعد اس کا غصہ خود بخود ٹھنڈا ہوتا چلا گیا۔

اطلاء کو اغوا کرنے کے بعد وہ منصوبے کے مطابق اسے فارم ہاؤس لے گیا تھا۔ اس کا ارادہ اطلاء کو کچھ دنوں تک روپوش رکھنے کا تھا۔ مگر اطلاء کی ضد اور بدکلامی کی وجہ سے وہ کچھ ہو گیا جس کا تصور کم از کم

مقتضیٰ نے بھی نہیں کیا تھا۔ وہ سچ مچ اس کے الفاظ کے مطابق بے کردار اور نفس کا مطیع ثابت ہو چکا تھا۔

اس کی کالی چوڑیوں والی سنہری کلائیوں کی نزاہت، اطلاء کے وجود کی سحر انگیزی اسے جذبوں کے بھڑکیلے الاؤ میں دھکیل چکی تھی۔ وہ رات کے اس پہر فارم ہاؤس کے اسی کمرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اس نے اطلاء کے ساتھ کیا کیا تھا؟ پیر شاہ نے کیوں اسے دھتکار دیا؟ اسے خود سے یوں علیحدہ کیا گویا وہ جسم میں پلتا کوئی ناسور ہو۔

اور وہ آج اس پہر اسی لمحے تسلیم کر چکا تھا کہ وہ واقعی ہی ناسور ہے۔ بد بخت ہے۔ ظالم ہے اور نہایت متکبر بھی۔

اطلاء بھی اس کے قدموں میں بڑی التجا کر رہی تھی، جب اس نے اطلاء کے سامنے رہائی کی کچھ شرائط رکھ دیں۔

"ابھی میرے ساتھ نکاح کے لیے رضامندی دے دو۔ تجھے باحفاظت گھر پہنچا دوں گا۔ بہت عزت اور مان سے بیاہ کر یہاں سے دور لے جاؤں گا۔ ہم اچھی زندگی گزاریں گے۔" وہ بھڑک کر چلا اٹھی۔

"تم کمینے ذلیل اور بے غیرت ہو۔ تم سے نکاح کرنے سے بہتر ہے خود کشی کر لی جائے۔"

"ضد چھوڑ دو اطلاء! ورنہ تمام عمر پچھتاؤ گی۔" مقتضیٰ اسے ہر صورت رضامند کرنا چاہتا تھا مگر سات راتیں گزر جانے کے بعد بھی وہ قطعاً "نہ مانی"۔

"تو چاہتی ہے کہ تیرے ساتھ سختی سے پیش آؤں۔" مقتضیٰ کے ارادے خطرناک تھے۔

"میری بوٹیاں بھی نوچ دو گے تب بھی تمہارے ساتھ نکاح کا بندھن نہیں جوڑوں گی۔" وہ زخمی شیرنی کی طرح بپھر کر بولی۔

"تجھ سے محبت کی ہے۔ تجھے دل میں بسایا ہے۔ گھر میں بسانے کی بھی خواہش تھی۔ سیدھے اور شفاف طریقے سے اپنانا چاہا تھا مگر تم خود ہی عزت اور احترام نہیں چاہتیں۔ مجھے اب دوسرا طریقہ اپنانا پڑے گا۔ ابھی کچھ دیر بعد مولوی صاحب آ رہے ہیں۔ ان کے سامنے چلانے کی ضرورت نہیں۔ خاموشی سے نکاح کے لیے مان جانا۔ رخصتی پیر شاہ اور تمہارے بابا کی واپسی کے بعد دھوم دھام سے ہو گی۔" اس نے اپنا تمام پروگرام اطلاء کے گوش گزار کیا۔

"ایسا تو میری آخری سانس تک نہ ہو گا۔" اطلاء چلائی۔

"میں تمہارے کسی بھی منصوبے کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ تم ذلت کی پاتال میں مجھے اتار دو یا میرے حلق پر آری چلا دو۔ میں تمہیں کل بھی گدھ سمجھتی تھی۔ آج بھی چلا چلا کر کہتی ہوں کہ تم گندے گدھ ہو۔ حرام کھانے والے۔ نفس کے پجاری۔ باہر نکلو، تمہارے ایک اشارے پر دس قربان ہو کر آ جائیں گی۔ مگر میں اطلاء درویش ہوں۔"

"دیکھ لوں گا تمہیں کیسے نہیں مانتیں تم۔ رینگ رینگ کر اور میرے پیروں میں گڑگڑا کر ہاتھ جوڑو گی کہ تجھے تحفظ اور عزت بخش دوں۔ میں تمہیں کسی اور کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔" مقتضیٰ شاہ کے لہجے میں زخمی درندے کی سی دھاڑ تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک دن اور طلوع ہو کر اندھیروں میں ڈوب گیا تھا۔ آٹھ راتیں گزر چکی تھیں۔ اطلاء جانتی تھی کہ یہ فارم ہاؤس شہر سے ساٹھ میل دور ہے۔ یہاں ٹیلی فون کی سہولت بھی نہیں تھی۔ ایک بوڑھی عورت اسے تین وقت خوراک پہنچاتی تھی۔ وہ عورت گونگی اور بہری تھی۔ نہ بول سکتی تھی، نہ سن سکتی تھی۔ اطلاء کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ ان اونچی دیواروں کو توڑ کر یہاں سے نکل بھاگے۔

آج سے سولہ سترہ دن پہلے وڈیری اماں کے پاس اس کی سگی چاچی جیکب آباد سے آئی تھی۔ بابا کا پورا خاندان وہیں آباد تھا۔ اس کی پھپھیاں، چاچیاں اور خالائیں وغیرہ۔ ماں تو بہت بچپن میں چھوڑ گئی تھی۔ صرف بابا کا ہی ساتھ تھا اور بابا ایک رات اپنی ننھی سی آدھی کو سینے سے لگا کر چپکے سے گھر چھوڑ آیا

www.pkdigest.com

تھا۔ جب سے پیر شاہ کی بستی میں بسیرا کیا تھا تب سے بابا نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ گھر بار اور کچھ زمینیں سب وہیں چھوڑ آئے تھے۔ اب اس کے چاچا آدیش اور چاچی مادھو نہ جانے کیوں پرانی رشتے داری کا احساس دلانے چلے آئے تھے۔ حالانکہ بابا نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ اتنے سالوں بعد ان کی "بو" سونگھتے آ گئے تھے۔

آدیش چاچا انہیں لینے آیا تھا۔ وہ اعلاء سے بھی ملنا چاہتا تھا۔ چاچی وڈیری اماں کے پاس بیٹھی خوشامد کر رہی تھی کہ کسی طریقے سے انہیں آدھین سے ملنے دیا جائے۔ وڈیری اماں اپنی دلی خواہش کے باوجود اعلاء کو نہ آدیش کے ساتھ بھجوا سکتی تھیں اور نہ ہی اعلاء کو ان سے ملوانے کی جرأت تھی ان کی۔ پیر شاہ کے حکم سے سرتابی کا ان کی دونوں بہویں تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ مگر وہ اندر تک مسرور تھیں کہ شاید اعلاء اب ہمیشہ کے لیے جیکب آباد چلی جائے گی۔ بیٹوں کی مائیں اسی طرح خوف زدہ رہتی ہیں اور جب سے مقتفیٰ کی خواہش معلوم ہوئی تھی۔ تب سے تو وہ جلد از جلد اعلاء کو یہاں سے بھجوانے کا سوچ رہی تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ پیر شاہ اعلاء کی کسی اور جگہ شادی کر دیں۔

وڈیری اماں نے مادھو کا ٹکا سا جواب دیا تو وہ جلتی بھنتی مردانے میں شوہر کے پاس چلی گئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کی پھر سے واپسی ہوئی۔

"رام بھلا کرے۔ آدھی کو اس کے اپنوں سے ملنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ ہماری "چندا" آپ کے پاس ہے۔ ماتاجی پوتری سے ملنا چاہتی ہیں۔ آپ اس کو میرے ساتھ جانے دیں۔"

"ائے ہے بدبخت! ادھر رام رام کرنے کی ضرورت نہیں۔ چل ہٹ دفعہ ہو۔ استغفراللہ۔" انہوں نے کئی مرتبہ کانوں کو ہاتھ لگا کر اللہ معافی مانگی۔

"آپ تو غصہ کر گئی ہو ماتاجی!"

"پھر کہا ماتا شاتا! جہنمی عورت نکل جا یہاں سے۔" وڈیری اماں پھر سے بدک کر پیچھے ہٹیں۔

"بہن جی! اس کا چاچا بولے ہے۔ آدھی کو ابھی ہمارے ساتھ بھیجو جی!"

"گئے ہے کہہ تو دیا کہ جب تک اس کا باوا واپس نہیں لوٹتا تب تک یہ کہیں نہیں جائے گی۔" انہوں نے ناگواری سے کہا۔

"ٹھیک ہے بہن جی! اب ہم اپنے طریقے سے آدھن کو لے جائیں گے۔" مادھو فوراً اوقات پر آ گئی۔

"چاچا اس کا اٹھوا کر لے جائے گا۔" مادھو کی دھمکیاں گیٹ تک جاری و ساری رہیں۔

"لے جانا اٹھوا کر۔ بھگا کر یا جیسے مرضی۔ ہمیں بھی کوئی شوق نہیں اس کلموہی کا درد سر ہمیشہ کو لینے کی۔" وڈیری اماں کنپٹیاں دباتی تخت پر لیٹ گئیں۔

اس کے بعد چاچا کے ہر روز دھمکیوں بھرے فون آتے رہے۔ دراصل بابا کے حصے کی زمین قانونی طور پر اعلاء کے نام ہو چکی تھی۔ اس کے چاچا چاچی کی خواہش تھی کہ اعلاء کی شادی اپنے دو بیٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کر دیں' تاکہ بابا کی زمین ہمیشہ کے لیے انہی کے پاس رہے۔

چاچا کے آنے کے تیرہ دن بعد اس کا اغوا اور یوں اچانک اسکول سے غائب ہونا' آدیش چاچا کے کھاتے میں ڈال کر سب پرسکون ہو گئے تھے۔ اعلاء کو پورا یقین تھا کہ وڈیری اماں نے اس کے اغوا کا کوئی نوٹس نہیں لیا ہوگا' بلکہ وہ تو خس کم جہاں پاک کہہ کر ہاتھ جھاڑے دن رات تسبیح کرتی ہوں گی۔

اس کے اغوا کی خبر حدی شاہ تک بھی نہیں پہنچی تھی کیونکہ وہ مشینری لینے کراچی گیا ہوا تھا۔ ہر گزرتا دن اس کے خوف کو دوچند کر رہا تھا۔ مگر وہ کسی بھی طور اپنی کمزوری دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

"کیا میری واپسی کے بعد کوئی میری بات پر یقین کرے گا؟ مجھے چاچا نے نہیں مقتفیٰ شاہ نے اغوا کیا تھا۔ نہیں کبھی نہیں۔ کسی نے بھی میری بات پر یقین

نہیں کرنا۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"حدی شاہ! کہاں ہو تم۔ خبر نہیں ہے تمہیں کہ مجھ پر کون سی قیامت بیت رہی ہے۔"

اعلاء کا پورا وجود جھٹکے کھا رہا تھا۔ باہر ایک دم طوفانی بارش برسنے لگی تھی۔ آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے اور درختوں کی شائیں شائیں دلوں کو سہما رہی تھی۔ دور کہیں الو اور گیدڑ کی رونی خوف ناک آوازیں سماعتوں میں اتر کر خوف و ہراس میں اضافہ کر رہی تھیں۔

تب ہی دروازہ کھلا اور بند ہوا۔ وہی بوڑھی عورت آتی دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بھاری شاپر تھا اور وہ اشاروں کے ساتھ اسے سمجھا رہی تھی کہ اٹھ کر یہ کپڑے پہن لو۔ مائی نے زیورات کے ڈبے اور ایک کامدار سرخ سوٹ نکال کر پلنگ پر رکھا۔ اعلاء یوں بدک کر پیچھے ہٹی تھی گویا اس شاپر میں سے زہریلے سانپ برآمد ہو رہے تھے۔

"میں کہہ رہی ہوں اٹھاؤ یہ سب اور چلی جاؤ یہاں سے۔" خوابوں میں آتے ہی وہ ایک دم چلا اٹھی تھی۔

"غوں... غوں... غاں۔" مائی اشارے کے ساتھ عجیب و غریب آوازیں منہ سے نکالتی اسے سمجھا رہی تھی کہ غصہ مت کرو اور کپڑے آرام سے پہن لو۔

"آگ لگا دوں گی ہر شے کو۔" اس نے بھاری کام سے بوجھل نرم ملائم دوپٹے کے چیتھڑے اڑا دیے۔ زیورات کے ڈبوں کو توڑ پھوڑ کر کمرے میں اچھال دیا۔ مائی خوف زدہ ہو کر کمرے سے بھاگ گئی۔

"یہ کیا بدتہذیبی ہے۔ بے عقل احمق لڑکی! خوش قسمتی روز روز دستک نہیں دیتی۔" تھوڑی دیر بعد مقتفیٰ بھناتا ہوا آ گیا۔

"میں بہت بدبخت ہوں۔ مجھے بدنصیب ہی رہنے دو۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"مجھے گھر لے چلو۔ خدا کے لیے گھر لے چلو۔"

"کیا کرو گی اب وہاں جا کر۔ اتنی راتوں سے غائب ہو۔ وڈیری اماں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کریں گی۔ بہتر یہ ہے ابھی ہم نکاح کر لیتے ہیں دیکھو! میں تمہاری آسانی کے لیے یہ سب کر رہا ہوں۔ کوئی بھی فرد تم سے سوال جواب نہیں کرے گا۔ کسی کی جرأت نہیں وہ مقتفیٰ کے مقابل آ کھڑا ہو۔ میں سارا معاملہ سنبھال لوں گا۔"

"جہنم میں جاؤ تم۔ کبھی ایک پل کو بھی سکون نہ ملے تمہیں۔" وہ رو رہی تھی۔ پھر کسی زخمی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ پڑی۔ شاید اتنے دنوں کی اعصابی جنگ نے اسے تھکا ڈالا تھا' جب ہی تو وہ سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی تمام صلاحیتیں کھو چکی تھی' ورنہ اک لمحے کے لیے یہ ضرور سوچتی کے مقابل ایک مضبوط' توانا اور بھرپور مرد ہے جو لمحوں میں اسے بے بس کر سکتا ہے۔

اس نے مقتفیٰ کا چہرہ ناخنوں سے کھرچنے کی کوشش کی تھی اور وہ اسے بازوؤں میں بھینچے ایک پل میں ہی تمام معاملہ سمجھ کر قابو کر چکا تھا اور وہ کسی خوف زدہ ننھی سی چڑیا کی طرح اس کے فولادی بازوؤں میں پھڑپھڑا کر رہ گئی تھی۔ مقتفیٰ کا ہاتھ اس کی گداز کلائی پر پڑا تھا اور اس کی کلائیوں میں پڑی کالی چوڑیاں ٹوٹتی چلی گئیں۔ ڈھیروں کانچ ارد گرد بکھر چکے تھے۔ اعلاء درویش کی عزت کی طرح اور وہ اس کے سحر انگیز نرم و نازک سراپے کی دلکشی میں کھوتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"اس احمق لڑکی کی بے وقوفی کا نتیجہ ہے' ورنہ میں نے تو شفاف راستے کا انتخاب کیا تھا۔" وہ تمام تر غلطی اور اپنی خود غرضی کو بھی اعلاء کے کھانے میں ڈال کر مطمئن ہو چکا تھا۔ پیر شاہ ایک ہفتے بعد آ چکے تھے اور وہ یہ اطمینان لے کر خیرپور سے روانہ ہوا تھا کہ اب اعلاء کو اس کا ہونے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔

اسے گویا یقین تھا کہ وہ پیر شاہ سے اعلاء کے متعلق بات کرے گا تو اعلاء اب کبھی بھی انکار نہیں کرے گی مگر ہوا ایک مرتبہ پھر اس کے برعکس۔ اعلاء کی واپسی نے وڈیری اماں کو مشتعل کر دیا تھا۔

www.pkdigest.com

"ری' بڑا پھنے خان بن کر لے کر گیا تھا تیرا چاچا۔ چار دن بھی روٹی نہیں کھلا سکا۔" اسی طرح فردا" فردا" سب نے اس کے چاچے کو بے بھاؤ کی سنائیں۔

"خون ڈاڈھا سفید ہو گیا ہے۔ پر تو نے چنگا کیتا کہ واپس آ گئی۔ ان کافروں اور منکروں میں تیرا کیا کام۔"

ادھر پوری بستی والے بابا کو حج کی مبارک باد دینے آ رہے تھے۔ پیر شاہ کا حجرہ بھی لوگوں سے بھرا رہتا۔ سب کو ہی کھجوروں اور آب زم زم کا تحفہ دیا جا رہا تھا۔ بھیڑ قدرے چھٹی تو پیر شاہ کو احلاء کا خیال آیا۔ انہوں نے اسے حجرے میں طلب کر لیا تھا۔

"اس بدبخت آدیش کی اتنی جرأت کہ وہ ہماری بستی میں' ہمارے گھر سے تمہیں دھمکا کر لے جائے۔ مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آ رہا بیٹی!"

"یہ سب جھوٹ ہے پیر شاہ!" آنسوؤں کی برسات میں وہ گویا پھٹ پڑی۔ اور پھر اپنے اوپر بیتے ظلم کی داستان سنا کر روتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ پیر شاہ کا چہرہ جلال کے عالم میں کئی کئی رنگ بدلتا رہا۔

"مقتضیٰ شاہ! بہت دل دکھایا ہے تو نے۔ یا اللہ! اس گھڑی کے لیے ہم کو زندہ رکھا ہے۔ کہاں ہو نور النساء! آؤ اور آ کر اپنے لاڈلے کے کرتوت دیکھو۔ اسے منتوں اور مرادوں سے حاصل کیا تھا۔ جو ہماری عمر بھر کی کمائی کو تہہ خاک کر کے چلتا بنا ہے۔

" احلاء میری بچی! یہ تمہتر سالہ بوڑھا اپنے دونوں ہاتھ تیرے سامنے باندھ کر بیٹھا ہے۔ میری معافی تیرے "دکھ" اور "نقصان" کو پورا نہیں کرے گی مگر مجھے خدا کے غضب سے بڑا خوف آتا ہے۔"

اس نے اپنی تمام زندگی میں پہلی مرتبہ پیر شاہ کو روتے دیکھا تھا۔ ان کی سفید داڑھی میں آنسو گم ہو رہے تھے۔ ان کے دو بیٹے عین بہاروں میں موت کی آغوش میں جا سوئے تھے۔ ان کی آنکھ سے ایک قطرہ پانی کا نہیں گرا تھا۔ وہ خدا کی رضا میں راضی تھے مگر اس وقت وہ درویش بابا کی احلاء کی عزت کے جنازے پر بے ساختہ رو رہے تھے۔

"تیری حفاظت پر میں نے حدی کو مامور کیا تھا مگر تیرا محافظ بڑا لاپروا نکلا۔"

"نہیں پیر شاہ! اس تمام قصے میں ان کا بھلا کیا قصور۔" وہ تڑپ کر بولی تھی۔ اس "تڑپ" میں ایک "چاہ" تھی۔ الفت تھی انسیت تھی یا محبت۔ وہ ایک ٹک احلاء کو بغور دیکھتے رہے۔

احلاء نے کچھ باتیں مصلحتاً چھپالی تھیں۔ اس نے ابھی صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ مقتضیٰ نے اسے اغوا کیا تھا اگر وہ بتا دیتی کہ مقتضیٰ نے اس رات۔۔۔ احلاء و درویش کو اس کی اپنی نظر سے ہی گرا دیا تھا تو پیر شاہ اپنے ہاتھ سے شاید مقتضیٰ کو قبر میں اتار دیتے۔

"میں ابھی مقتضیٰ کو بلا رہا ہوں۔ ابھی اور اسی وقت تمہارا اس کے ساتھ نکاح ہو گا۔ اسی نے تمہیں بے عزت کیا ہے۔ وہ ہی تمہیں عزت دے گا۔" احلاء نے کچھ دیر بعد ان کی ٹوٹی ہوئی آواز سنی۔

"نہیں پیر شاہ! مجھے مقتضیٰ سے اپنے لیے عزت نہیں چاہیے۔" اس کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ اور پیر شاہ صرف چند پل میں ہی فیصلہ کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی رات انہوں نے شہر آدمی بھیج کر مقتضیٰ کو بلوایا۔

"تم نے جو کچھ کیا ہے ہم اسے درگزر نہیں کر سکتے۔ نافرمان تو تم شروع سے ہی ہو۔ خود سری بھی تمہاری سرشت میں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم کچھ عرصہ کے لیے ہماری نظروں سے دور رہو' یہاں تک کہ فطری محبت سے مجبور ہو کر ہم تمہیں پھر سے پہلے والا مقام دے دیں۔"

"پیر شاہ! جو کچھ بھی ہوا ہے۔ میں اس پر شرمندہ ہوں۔" حالانکہ وہ قطعاً" شرمندہ نہیں تھا وہ تو یہ سمجھ رہا تھا' اب احلاء کا حصول ناممکن نہیں رہا۔ کچھ دنوں میں وہ ہمیشہ کے لیے اس کی ہو جائے گی اور وہ اسے اتنی محبت دے گا' احلاء اس کی ہر زیادتی بھلا دے گی۔

"میں احلاء سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" بالآخر اس نے کہہ ہی دیا۔

"ابھی وہ اس دھچکے سے نہیں سنبھلی اور تمہیں اس نے معاف بھی نہیں کیا۔ پہلے احلاء کے قابل خود

کو بناؤ۔ اس کی پسند کے سانچے میں ڈھلو پھر اسے اپنا بنانے کی کوشش کرنا۔" وہ بڑی سرد مہری سے گویا ہوئے تھے۔

"اور ان تمام باتوں کے لیے کتنا وقت درکار ہو گا۔" وہ مارے اشتعال کے صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

"بڑی اکڑ اور غرور ہے اس عورت میں۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود نہیں جھکی۔" اس نے تنفر سے سوچا۔

"تین سال۔۔۔"

"تین سال بعد میں خیر پور آؤں گا۔ اس سے پہلے کبھی نہیں۔ یہ میرا وعدہ رہا۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"اگر احلاء نے تمہارا ساتھ دل سے قبول کیا تو میں تمہاری احلاء کے ساتھ بڑی شان سے شادی کروں گا۔" مقتضیٰ ایک سرشاری کے عالم میں حجرے سے باہر نکلا۔

"تین سال۔ صرف اور صرف تین سال' زیادہ تو نہیں۔"

☆ ☆ ☆

یہ اس سے اگلی شام کی بات ہے۔ درویش بابا کو ایک خط موصول ہوا۔ یہ خط ان کے بھائی آدیش کی طرف سے تھا۔ اس خط میں آدیش نے انہیں بتایا تھا کہ ماتا جی مر چکی ہیں اور یہ کہ کچھ ہی دنوں تک وہ اپنے بیٹے کی ٹھیکرے کی منگ کو بیاہنے آ رہے ہیں۔ یہ خط بابا نے پیر شاہ کو دے کر درخواست کی۔

"شاہ جی! میں چاہتا ہوں میری زندگی میں احلاء بیٹی اپنے گھر بار کی ہو جائے۔ میں اسے کسی مسلمان گھرانے میں بیاہوں گا۔ آپ اس کے لیے کسی نیک' شریف اور باکردار انسان کا انتخاب کر لیجیے۔ نہ جانے کیا بات ہے شاہ جی! میری دھی رانی اندر ہی اندر گھلتی جا رہی ہے۔"

"دھی رانی سے پوچھو۔ اسے حدی شاہ کا ساتھ منظور ہے۔" بہت دیر سوچنے کے بعد وہ دھیرے سے بولے تھے۔ درویش بابا گویا ساکت رہ گئے۔ گھر آئے تو بے قراری سے پہلے احلاء کے کمرے کی طرف بڑھے۔

"بیٹی! ذرا بات تو سننا۔"

"اچھا بابا۔۔۔!" احلاء فوراً" بابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور پھر جو بات انہوں نے کی تھی وہ اسے بھی پتھرا دینے کے لیے کافی تھی۔

"بابا! مجھے شادی نہیں کرنا۔"

"کیوں؟" وہ بے چینی سے بولے۔

"آپ اکیلے ہو جائیں گے۔" اس نے سسکی دبا کر بات بنائی۔

"یہ بھلا کیا بات ہوئی؟" انہوں نے خوش دلی سے کہا۔

"میں بڈھی جان۔ سارا دن تو دربار پر ہوتا ہوں۔ صرف تیری فکر مجھے گھر لے کر آتی ہے۔"

"حدی شاہ سے مجھے شادی نہیں کرنی۔" اب کہ اس نے واضح الفاظ میں انکار کر دیا۔

"کیوں بیٹی!"

"میں اس کے قابل کہاں رہی ہوں۔" احلاء نے تلخی سے سوچا۔

"پیر شاہ سے میں انکار نہیں کر سکتا۔"

"تو میں کر دوں گی بابا! مگر حدی شاہ سے شادی نہیں کروں گی۔" وہ تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

اگلے سویرے نماز فجر کے بعد وہ جائے نماز پر بیٹھی ہچکیوں سے رو رہی تھی جب حدی شاہ دبے قدموں سے چلا آیا۔ وہ اسی طرح زمین پر پاؤں رکھتا تھا کہ چلنے کی آواز بالکل نہیں آتی تھی۔ وہ دو گھنٹے بیٹھا رہا تھا۔ اس نے بہت سی باتیں زندگی میں پہلی مرتبہ کسی سے شیئر کی تھیں۔

اور جب وہ جا رہا تھا تو اس کے آخری الفاظ احلاء کو پتھر کرنے کے لیے کافی تھے۔

"تمہارے مجرم کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا خود سے وعدہ کر چکا ہوں احلاء! تم بتاؤ یا نہ بتاؤ میں اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا اور ایک بات اور' اگر تم کو

www.pkdigest.com

اغوانہ کیا جاتا تو مجھ تک تم کیسے پہنچتیں؟ پیر شاہ کی نظر تمہارے لیے مجھ پر کیسے ٹھہرتی؟"

اسی شام بہت سادگی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ وہ بابا کے آنسوؤں کے سامنے ہار گئی تھی۔ حالانکہ اس نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور اس فیصلے میں دراڑ تو حدی شاہ کو دیکھ کر پڑ ہی چکی تھی۔

پیر شاہ نے اپنے وکیل کو بلوا کر قانونی طور پر حدی کو اس کے حصے کے مطابق شوگر مل اور زمینوں میں حصہ دے دیا تھا۔

شہر میں حدی کی رہائش گاہ تھی اور وہ اسی رات ہمیشہ کے لیے خیر پور کو خیرباد کر کے حدی شاہ کے ہمراہ شہر چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

پیر شاہ نے اس کی بہت بے عزتی کی تھی۔ پوری زندگی میں پہلی مرتبہ انہوں نے مقتضیٰ سے اس لہجے میں بات کی تھی۔

بہر حال وہ ان کے حکم کے مطابق خیر پور چھوڑ کر کراچی آگیا تھا۔ جانے سے پہلے انہوں نے اس سے کہا۔

"بابا مکھنی سائیں! خود کماؤ گے تو تمام عیاشیاں بھول جاؤ گے۔ اے سی والی گاڑی نوکر چاکر اور جیبیں نوٹوں سے بھری ہوں تو نشہ سر چڑھ کر بولتا ہے۔"

ان کے طعنے پر وہ تلملا اٹھا تھا۔ پھر غصے کے عالم میں اس نے سب سے پہلے پیر شاہ کے طرف سے ملی تمام مراعات کو ٹھوکر مار دی۔

کراچی میں اسے بہت اچھی جاب مل گئی تھی اس لیے وہ انسٹی ٹیوٹ سے بھی الگ ہو گیا تھا۔ ان دنوں اس کی پوسٹنگ لاہور میں ہو گئی تھی۔

سب سے پہلا مسئلہ تو اسے رہائش کا در پیش تھا۔ جو کہ اس کے دوست رمیز نے منٹوں میں حل کر دیا۔ سو وہ فرح آنٹی کی انیکسی میں شفٹ ہو گیا تھا جب اس نے پہلی مرتبہ اپنے ٹیرس پر موجود ایک لڑکی کو دیکھا جو کہ بہت احتیاط کے ساتھ گلاس ونڈو میں جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے سفید کاٹن کی پینٹ پہن رکھی تھی، سفید شرٹ میں اس کا سرخ و سفید چہرہ دمک رہا تھا۔

"یہ کسے ڈھونڈ رہی ہے؟" اس نے کچھ تجسس کے عالم میں ہاتھ میں پکڑا تولیہ صوفے پر اچھال دیا تھا۔ پھر پردے ہٹا کر ایک سائیڈ پر کھڑے ہو کر بغور اس کی حرکات و سکنات دیکھنے لگا۔ اس کی نظروں کا ارتکاز مقتضیٰ کے کمرے کے طرف تھا مگر وہ اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ کافی دیر تانکا جھانکی کرنے کے بعد وہ مایوسی کے عالم میں چلی گئی۔

وہ اپنی نئی جاب کی وجہ سے بہت مصروف تھا۔ اسی لیے یہ معمولی سی بات ذہن سے نکل گئی تھی۔ البتہ ایک روز وہ اس سے کالونی کی سڑک پر دانستہ ٹکرا گئی۔ اس کے ٹکرانے کے نتیجے میں وہ اپنی ناک دبا کر چیختی ہوئی زمین پر گر چکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریکٹ تھا۔ جو اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ وہ ٹینس گراؤنڈ سے آرہی ہے۔

اس کے انداز میں بہت بے تکلفی تھی۔ وہ اس کا نام تک جانتی تھی۔ جب انیکسی کے گیٹ سے اندر جانے لگا تو وہ اس سے بھی پہلے جھپاک سے اندر داخل ہو گئی۔ مقتضیٰ کو اس کا یہ بے تکلف انداز سخت برا لگا تھا۔

"میرا نام نشق جہانگیر ہے۔" وہ نہ بھی بتاتی تب بھی مقتضیٰ جان چکا تھا کہ وہ جہانگیر ثالب کی بیٹی ہے۔ جو کہ کافی بڑے بزنس مین تھے۔ ان کی گارمنٹس کی فیکٹریاں تھیں۔

نشق کی آنکھوں میں اترے رنگ وہ پہچان چکا تھا۔ گھنٹوں دھوپ میں ٹیرس پر کھڑے ہو کر اسے دیکھنے کی چاہ میں اس لڑکی کے لیے ہولے ہولے ہی سہی کچھ نرم جذبات اس کے دل میں نمو پانے لگے تھے۔

وہ اس وقت کراچی سے آیا تھا۔ مقیت متقارب اور مقسط سے اس کی ملاقات اکثر رہتی تھی۔

وہ خیر پور والوں سے تمام رابطے منقطع کر چکا تھا۔ کبھی کبھار وڈیری اماں کا فون آجاتا تھا۔ مما بھی اکثر

کر لیتی تھیں۔ مگر ان کی باتوں میں احلاء کا کبھی ذکر نہیں آتا تھا۔

ابھی بھی وہ مقیت سے ملنے کراچی گیا تھا۔ واپس آیا تو نشق کو لان میں بیٹھا دیکھ کر خاموشی سے اندر کی طرف بڑھ گیا۔ جو کچھ وہ زبان سے کہنے سے قاصر تھی اس کے انداز سب بھید کھول دیتے تھے۔

اور وہ واقعی مقتضیٰ شاہ کو اپنے دعوے کے مطابق ڈسٹرب کر چکی تھی۔ پوری رات وہ سو نہیں سکا تھا۔ پھر اگلی کئی راتیں وہ سو نہیں پایا تھا۔ دو دن بعد اسے وڈیری اماں کا خط موصول ہوا۔

"ماں صدقے مکھنی پتر! مجھ بڈھی کو کس جرم کی سزا سنا گئے ہو۔ آنکھیں ترس گئی ہیں تیری صورت دیکھنے کے لیے۔ ابھی چمن سے خط لکھوا رہی ہوں۔ ٹیلی فون دو دن سے خراب پڑا ہے۔ بڑا طوفان آیا تھا پچھلے دنوں میں، شاید کوئی تار وار ٹوٹ گیا ہے۔ مجھ کو غصہ آیا تو ایبٹ آباد والوں کو اور تم دونوں کو ایک ساتھ نپٹا دوں گی۔ اب پیر شاہ سے بات کرتی ہوں۔ چاروں کی دو بیٹیاں ہے آؤ کی خیر پور میں۔ پھر زنانیوں کے بہانے پکڑ لگا رہتا۔ غضب خدا کا تجھ بڈھی کا کوئی احساس نہیں۔ مفرح کا رشتہ آیا تھا۔ لوگ اچھے جاننے والے تھے۔ آئے دیکھا اور چلے گئے۔ ابھی ابھی پیغام آیا ہے انہیں لڑکی پسند ہے 'سو رسم کرنے آملنے' انہیں مگر اس مفرح کو نہ جانے کیا ہوا۔ بولتی ہے ابھی اور پڑھنا ہے 'ایک چشمہ لگ چکا ہے۔ ایک اور موٹا چشمہ لگوانے کا شوق ہے صاحبزادی کو۔

ابھی تیری پھپھی صاحب سے بھی بات کر کے آئی ہوں۔ امان آنے والا ہے یا نہیں؟ کسی کو خیر خبر نہیں۔ امان کو ٹیلی فون کرو تاکہ وہ جلدی آئے۔ اسی سال میں بیٹیاں اپنے گھروں کی ہو جائیں تو بہتر ہے۔ عشنا کے لیے اپنا متقارب ہے نا! گھر کی بیٹیاں زیادہ حق دار ہوتی ہیں۔ بات کچھ لکھوانی ہوتی ہے۔ یاد کچھ اور آجاتا ہے۔ مجھے تیرے سے پوچھنا تھا شہر میں کوئی ساتھ ہے۔ اب یہ بھی کوئی نام ہوا۔ میرے کو بھول گیا تھا۔ پھر سے یاد کروانے آیا ہے تیرا ویر 'بولتا ہے بھایا سے پوچھ لیں۔ اچھے خاندان کی اچھی لڑکی ہے۔ اب میم صاحب ایک دفعہ آئی ہے تو بات کروں گی اس سے۔ تو بتا آئے گا یا نہیں پتر! پیر شاہ سے کاہے کی ناراضی۔ وہ تو بزرگ ہیں ہمارے۔ ان کے بغیر اس بستی کی ساری رونقیں بے کار ہیں اور تیرے کو کیا بتاؤں۔ درویش سائیں بیمار ہیں۔ نیا مجاور آیا ہے دربار کا۔ باقی سب خیریت ہے۔ بس تو جلدی سے آجا۔"

اس نے لفافے میں خط رکھنے سے پہلے نیچے لکھا نوٹ پڑھا۔ نواب! تو کب آئے گا۔ سائیں سے دو دن کی چھٹی لے کر آجا۔ بال بیمار ہے۔ تیرے کو یاد کرتا ہے اور میرے کو بھی تو بہت یاد آوے ہے" تمہاری چمن۔

مقتضیٰ نے مسکراتے ہوئے خط کو دوبارہ پڑھا۔ وڈیری اماں کو جب بہت غصہ آتا تھا' تب مما کو وہ میم صاحب بلاتی تھیں۔

"اور یہ چمن بھی بڑی با کمال ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے نواب کو آواز دی۔ وہ آیا سائیں کہتا آگیا تھا۔

"بھئی تم کو تمہاری چمن آرا یاد فرما رہی ہے۔ لہٰذا بوریا بستر سمیٹ کر خیر پور روانہ ہو جاؤ۔"

"مگر سائیں! آپ کو کھانے پینے کا مسئلہ ہو گا؟"

"کوئی مسئلہ نہیں' ہوٹلز زندہ باد؟" وہ پھر سے خط کھولے پڑھنے لگا تھا۔

"یہ مقیت کسی سے کم ہے کیا۔ تبھی تو نشق کے گھر کے پھیرے لگاتا تھا۔ اس کی سہیلی کو تاڑنے کے لیے۔"

نشق کی فون کالز اور اس کے کھلم کھلا اظہار محبت نے اسے اس کے باپ سے صاف صاف بات کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر وہ بھی بیٹی کے ہم نوا بن چکے تھے۔ وہ بیٹی کی محبت میں مقتضیٰ کے تمام اعتراضات کو چٹکیوں میں اڑاتے چلے گئے۔ مگر مقتضیٰ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ نشق کی ضد سے مجبور ہو کر خیر پور پیر شاہ سے ان کے رشتے کی بات کرنے چلے جائیں گے اور پیر شاہ بھی گویا تیار بیٹھے تھے۔ وہ شاید اس لیے بھی خوف زدہ ہو گئے تھے کہ مقتضیٰ کو جب احلاء کی شادی کی خبر پہنچے گی تو وہ

www.pkdigest.com

طوفان کھڑا کردے گا' اسی لیے وہ مقتضیٰ کے بپھرے جذبات پر بند باندھنا چاہتے تھے۔

اور نہ جانے کیوں وہ پیر شاہ کی زبان کا پاس رکھنے کی خاطر خاموش ہو گیا تھا۔ عہد اور زبان سے نکلی بات پر تو وہ جان قربان بھی کر سکتے تھے۔ انہیں بدعہدی سے نفرت تھی اور ادھر پورے قصر مقتضیٰ میں گویا خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی۔ وڈیری اماں تو قربان ہی ہو گئی تھیں اور آج نشق دلہن بنی "قصر مقتضیٰ" میں موجود تھی اور مقتضیٰ شاہ یہ نہیں جانتا تھا کہ آج کی رات اسے اعلاء اپنے اور حدی کے تعلق کے متعلق بہت کچھ جتا کر کیسا انتقام لینے والی ہے۔

"اعلاء' حدی کی بیوی بن چکی ہے' کب؟ کیسے اور کیوں؟ میں اتنا بے خبر رہا ہوں۔ مجھے کسی نے بتایا نہیں۔ کسی نے ذکر کرنا گوارا نہیں کیا۔ ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔ حدی میرا بھائی ہے اور اعلاء۔" مقتضیٰ کو اس بھیانک رات میں یوں لگ رہا تھا گویا اس کا دل کسی گہرے گڑھے میں گر رہا ہے۔ وہ سست اور تھکے تھکے قدموں سے اٹھا تھا اور پھر اپنا غم غلط کرنے کے لیے اس نے کئی پیگ پر پیگ چڑھا لیے تھے۔ پھر وہ اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

رات کا تیسرا پہر شروع ہو چکا تھا اور ابھی ابھی مقارب' مقسط اور حناد وغیرہ اس کے کمرے سے وڈیری اماں کی جھڑکیاں سننے کے بعد نکلے تھے۔

ان کے جانے کے صرف دس منٹ بعد مقتضیٰ آ گیا تھا۔ نشق کا دل پہلو میں زور' زور سے دھڑکنے لگا۔

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ نشق بے خودی کے عالم میں اس کی سوجی سوجی آنکھوں کو دیکھنے لگی۔

"کیسی ہو نشق! ہمیشہ تم ہی خیریت پوچھتی رہی ہو۔ آج میں نے سوچا' پہل میں ہی کر لوں۔ تم آج مجھ سے خیریت پوچھنا بھی مت۔ کیونکہ آج میرا دل پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔ اس دل کو بڑا گہرا گھاؤ لگا ہے۔ اک عظیم صدمے سے میں ان ہی خوشگوار گھڑیوں میں دوچار ہوا ہوں۔ اسی لیے تو میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اور تم سے تو بالکل بھی نہیں۔

مگر تمہاری جذباتیت تمہیں اس مقام پر لے آئی ہے جہاں سے شام کا سفر شروع ہوتا ہے۔ ایسی شام جس کی کوئی صبح نہیں۔ تم نے گھاٹے کا سودا کر لیا ہے۔ میں تو سود و زیاں کا کتا بچہ کھولے بیٹھا تھا اور آج مجھے خبر ہوئی ہے۔ اس کھیل میں سراسر خسارہ میرے حصے میں آیا ہے۔ میں شکست خوردہ اور حدی شاہ اور اعلاء فاتح حاکم' اور تم' تم کس قدر احمق ہو' ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟" مقتضیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔

"آپ کبھی غلط نہیں کہہ سکتے۔" نشق نے غیر محسوس طریقے سے اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی چھٹی حس کچھ غلط ہونے کا اشارہ کر رہی تھی۔

"مگر میں تو ٹوٹلی غلط آدمی ہوں۔ تم نے ایک غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے۔" اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ نشق نے گہری سانس کھینچی تھی۔ اک ناگوار بدبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔

"تم نے ایک کریکٹر لیس آدمی کا ساتھ قبول کر لیا' ویری بیڈ۔" وہ گویا خود پر ہنسا تھا۔

"کریکٹر لیس؟" نشق کا دل سینے میں پھڑپھڑایا۔

"وڈیروں کا خاندان ہے۔ یہ طبقہ کچھ عیاش ٹائپ ہوتا ہے۔" ایک دن ساشا نے مقتضیٰ پر بے لاگ تبصرہ کیا تھا جو کہ نشق کو سخت برا لگا۔

"سب لوگ ایک طرح کے نہیں ہوتے۔ میرے پاپا کی مثال تمہارے سامنے ہے اور پھر مقتضیٰ کو میں اچھی طرح سے جان اور پرکھ چکی ہوں۔ اس کی کوئی گرل فرینڈ نہیں۔ کسی کے ساتھ افیئر نہیں ہے اس کا۔ اکثر میں نے اسے ٹیرس پر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔" نشق نے کسی یقین کے عالم میں ساشا کو جھٹلا دیا تھا اور اب وہ سانس روکے مقتضیٰ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"بہت شوق تھا تمہیں مجھ سے شادی کرنے کا۔ اب تم عمر بھر بھگتتی رہنا۔" اس نے اطمینان سے

سگریٹ سلگایا اور سیدھا ہو کر اسے بغور اپنی نشیلی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

"آپ کو نیند آ رہی ہے تو سو جائیں۔" نشق نے گھبرا کر کہا۔

"میری بھولی نشق! آج نیند کس کافر کو آئے گی۔"

"اس سگریٹ کی اسمیل سے مجھے وومٹنگ ہو رہی ہے۔" نشق کی حساسیت اس کی آنکھوں میں دھواں بھرنے لگی۔

"مقتضیٰ سائیں! یہ تو چیٹنگ ہے۔ نری چیٹنگ۔" ایک دم آنسو چھلک پڑے تھے۔

"کیسی چیٹنگ؟" وہ چونکا۔

"یہ ڈرنک' یہ اسموکنگ' مجھے ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔"

"چھوٹی چھوٹی باتیں دل پر مت لینا۔ ورنہ نقصان کر بیٹھو گی۔" مقتضیٰ نے گویا وارننگ دی۔

"آپ یہ بڑے بڑے فضول کام چھوڑ دیجیے۔" نشق اس شاک سے بمشکل سنبھل کر بولی۔

"میرے معاملات میں بولنے کی کوشش مت کرنا۔"

"کیوں؟"

"سمجھ دار عورت وہ ہی ہوتی ہے' جو اپنی حدود کو پہچان لے۔"

"اور میری حد کیا ہے؟" اس نے بجھتے لہجے میں پوچھا۔

"آج ہی سارے حساب کتاب نہ پوچھو۔ کوئی اور بات کرو۔" وہ ایک دم سگریٹ ایش ٹرے پر مسل کر تکیے پر سر رکھے لیٹ گیا۔ یوں کہ نشق اب بالکل اس کے سامنے تھی۔

"ہاتھ دکھاؤ۔" اس نے الجھ کر اپنا دوسرا ہاتھ بھی مقتضیٰ کی طرف بڑھا دیا۔

"آئندہ سے ہاتھوں میں چوڑیاں مت پہننا۔ مجھے ان سے بہت نفرت ہے۔ ان کی آواز سے بہت نفرت ہے۔" مقتضیٰ نے اس کی دونوں کلائیاں خالی کر دی تھیں اور تمام چوڑیاں اور کنگن' قالین اور صوفے کی طرف اچھال دیے۔

"مقتضیٰ! پلیز۔" نشق ایک دم چیخی تھی۔ مقتضیٰ نے اس کے تمام زیورات نوچ کھسوٹ کر اتار دیے۔

"یہاں رہنا ہے تو پرانے رنگ ڈھنگ بھول جاؤ۔"

"مقتضیٰ! آپ... آپ وہ نہیں ہیں جو میں سمجھی تھی۔" وہ تکلیف کی شدت سے رو پڑی۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ اس شان دار عمارت کے پیچھے کتنی دراڑیں ہیں۔"

"میرا دل تو کھنڈر مکان کی طرح ہے۔ اب اس کھنڈر مکان کی دیواروں سے سر پھوڑتی رہنا۔" مقتضیٰ نے سرخ نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا۔ پھر اس نے نشق کی گردن کو جھٹکا دیا تھا۔ اس کا سر بیڈ کراؤن سے جا لگا۔ دوپٹہ پھسل کر شانے پر آ ٹکا تھا اور چھوٹے چھوٹے اسٹیپ میں کٹے بال چہرے پر بکھر گئے۔

"تمہارے باپ نے پیر شاہ کو نہ جانے کون کون سی داستانیں سنائی ہیں۔ میں ان سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ ٹھیک ہے' میں کوئی اعلا اوصاف کا مالک نہیں ہوں' مگر ان کے سامنے میری جو تذلیل ہوئی ہے' اس سب کی ذمہ دار تم اور تمہارا باپ ہے۔" وہ غصے سے دہاڑتے ہوئے اس پر جھپٹا تھا پھر اس نے نشق کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھٹکا دیا۔

"مقتضیٰ! چھوڑیے مجھے۔ وحشی' درندے..." وہ تکلیف کی شدت سے کراہی۔

"تیرے باپ نے تجھے طشتری میں رکھ کر پیش کیا ہے۔ ایسی عورت کی بھلا کون عزت کرتا ہے۔" وہ اپنے حواسوں میں ہی کب تھا۔

"عورت تو اعلاء جیسی ہوتی ہے۔ انا اور غرور والی۔ جس کی حمکنت کے سحر میں جکڑا رہا ہوں میں' مگر میں نے اعلاء کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا..." اس کی گرم سانسیں نشق کو اپنی گردن پر رینگتی محسوس ہونے لگیں۔

"میں اس کے غرور کو توڑنا چاہتا تھا' سو میں نے ایسا

www.pkdigest.com

ہی گیا۔" نشق اس کے جارحانہ حصار میں پھڑپھڑا رہی تھی۔

"مگر اس کا دل بھی گویا قلعے کی مانند تھا' جسے میں مقتضیٰ شاہ کبھی فتح نہیں کر سکا۔"

"اصل فتح تو دل کی ہوتی ہے۔ ورنہ کمزور جسموں پر وقتی تسلط کبھی خوشی اور سکون نہیں دیتا۔" کسی تکلیف دہ یاد نے مقتضیٰ کی آنکھوں میں نمی سی بھر دی۔

"پلیز مقتضیٰ!" اس کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے اور تمام تر مزاحمت اس کی وحشی پیش قدمی کے سامنے دم توڑ گئی تھی۔ نشق اس کے سینے میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

تمام رات وہ سسکتی رہی تھی' جبکہ مقتضیٰ تو کچھ دیر بعد بے سدھ سو چکا تھا۔ صبح کاذب کے وقت آنکھ لگی تھی' پھر جلد ہی وہ بیدار بھی ہو گئی۔ بے چینی اور اضطراب میں تو اسے بھی نیند نہیں آتی تھی۔

پھر صبح کی سفیدی پھیلی تو اس نے دیکھا وہ سفید شلوار قمیص میں سر پر سفید ہی ٹوپی لیے ہاتھ میں جائے نماز پکڑے ہوئے تھا۔ اب اس نے تسبیح اور ٹوپی کو ایک کارنر ٹیبل کی دراز میں رکھ دیا تھا۔ وہ یقیناً "قضاء" نماز پڑھ کر آ رہا تھا۔

"ہونہہ! منافق' دوغلا اور ....." نشق نے لب بھینچ لیے۔

"آ ہیپی نیو ڈے ٹو یو۔" مقتضیٰ کے لبوں پر بڑا شگفتہ سا تبسم تھا۔ گویا اسے اپنے گزشتہ رات کے رویے پر "قطعاً" کوئی شرمندگی یا ندامت نہیں تھی۔ نشق کے دل میں چبھن سی ہوئی۔

"مائی لائف پارٹنر!" وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔

"یہ تمہارے اسپارکنگ فیس پر غصے کے دبے دبے تاثرات کیوں اُمڈ رہے ہیں۔" اس نے نشق کے گال کو انگلیوں سے چھو کر کہا تھا۔ نشق نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ کو اپنے چہرے سے ہٹا دیا۔

"تمہاری قربت کا اعجاز ہے یہ۔ پہلی مرتبہ قضاء نماز پڑھی ہے۔ پیر شاہ اور وڈیری اماں نے بچپن میں اتنے ڈنڈے مارے تھے کہ اب عادت بہت پختہ ہو چکی ہے اسی لیے۔"

"اسی لیے شراب پی کر بھی جائے نماز پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اپنے بزرگوں سے کچھ اور بھی سیکھ لیتا تھا۔" نشق اس کی بات کاٹ کر تلخی سے بولی۔

"مثلاً ___؟" مقتضیٰ کو قطعاً "غصہ" نہیں آیا۔ بلکہ وہ اس کے تنے تنے نقوش میں چھپی تلخی اور ناگواریت کو انجوائے کر رہا تھا۔

"عورت بہت قابل احترام ہستی ہوتی ہے۔ اسی عورت کی وجہ سے تم جیسے متکبر انسان وجود میں آتے ہیں۔"

"تمیز سے بات کیا کرو۔" وہ ناراضی سے گویا ہوا۔ "تمہارے ہاں عورتیں اپنے مردوں سے اس طرح بات کرتی ہیں؟"

"یہ اعلاء کون ہے؟" اسے اچانک خیال آیا۔ "کیا وہی ہے جو رات کو اپنا تعارف مجھ سے کروا رہی تھی۔"

"پتا نہیں کون ہے؟" وہ صاف مکر گیا۔ "یہاں اتنی عورتیں ہیں' میں کس کس کے نام کو یاد رکھوں۔"

"مگر وہ تو کوئی خاص عورت ہی لگتی ہے۔ رات کو نشے میں آپ اسی کو یاد فرما رہے تھے۔" فطری سا حسد نشق کے لہجے میں در آیا۔ اس کی آواز بھرانے لگی تھی اور پھر وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"تم شاید شاور لینے جا رہی ہو۔ واش روم سے فارغ ہو کر آؤ پھر تفصیل سے بات کریں گے۔ میں ذرا مردانے میں جا رہا ہوں۔" مقتضیٰ نے "فوراً" بات بدل دی تھی' پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔ نشق مختلف سوچوں میں کھوئی واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے سب سے ایزی ڈریس یعنی پنک کاٹن کی پینٹ اور ڈھیلی ڈھالی شرٹ پہن لی تھی۔ گلے میں کافی لمبا ہم رنگ دوپٹہ تھا۔

وہ بالوں کو تولیے سے خشک کر رہی تھی۔ جب دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک کی آواز سن کر

چونک اٹھی۔ اسی پل ایک بے حد کھلی کھلی سی براؤن آنکھوں والی لڑکی بڑی شاہانہ تمکنت سے اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم۔" نشق نے برش ڈریسنگ پر رکھ کر سلام کرنے میں پہل کی۔ وہ لڑکی بغور اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نشق نے دوسری نظر میں اسے پہچان لیا تھا۔ وہ اعلاء تھی۔

"رات کو میں نے بہت کوشش کی تھی۔ تم سے تنہائی میں ملنا چاہا تھا۔ مگر پھر مقتضیٰ چلا آیا۔ میرا نہیں خیال تھا کہ وہ آج کی رات گھر آئے گا۔ مگر اس جیسے مرد سے ہر بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ میں تو مقتضیٰ کی موجودگی میں ہی تم سے آخری ملاقات کرنا چاہتی تھی۔ مگر خیر۔ اب وہ مردانے میں چلا گیا ہے۔ رات کو ہی لوٹے گا۔ ولیمہ کے فنکشن میں شرکت کے لیے۔ تمہاری آنکھوں کی سرخیاں بتا رہی ہیں کہ وہ تمہیں صندل کر گیا ہے۔ وہ سرشار ہو' مطمئن ہو' یہ تو مجھے کبھی بھی گوارا نہیں۔ میں نے اسے کبھی بددعا نہیں دی۔ بددعا میں دینے والے پھر انتقام نہیں لیتے اور میں نے اسے اضطراب کی آگ میں دھکیلنا ہے۔ وہ تمہیں بڑی چاہ سے لایا ہے۔ اب اپنی چاہت کی آنکھوں میں اتری نفرت کو تمام عمر سہنا پڑے گا اسے۔ یہ میری طرف سے تحفہ قبول کر لو۔ جب بھی تم اپنی کلائی کی طرف دیکھو گی تو تمہیں ایک ہندو آدمی کی بیٹی اعلاء درویش یاد آئے گی۔ وہ ہندو جس نے مقتضیٰ کے دادا کے ہاتھ پر بیعت کیا اور مسلمان ہو گیا۔" اعلاء چند پل کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔ نشق اک پھیکی مسکان لبوں پر سجا کر بولی۔

"ایک غلط فہمی تو تم ابھی سے دور کر لو۔ وہ مجھے بڑی چاہت تو کیا اپنے دل کی رضامندی سے بھی نہیں بیاہ کر لایا۔ وہ میرا اسیر نہیں ہوا تھا بلکہ میں ہی اس کی محبت میں مبتلا تھی۔ تمہاری کچھ ڈھکی چھپی باتوں اور مقتضیٰ کی مبہم گفتگو سے میں کچھ نہ کچھ تو جان چکی ہوں۔ وہ تمہارے سحر میں گرفتار تھا' پھر اس کی نگاہ مجھ پر بھلا کیوں ٹھہرتی۔"

"وہ محبت نہیں' صرف اور صرف ہوس تھی۔" اعلاء چلائی۔

"محبت تو وہ تھی جو حدی شاہ نے مجھ سے کی تھی اور میں نے حدی شاہ سے۔ محبت تو وہ تھی جو زوار شاہ کو ایک اسٹیج ڈانسر سے ہوئی تھی اور اس نے دنیا کی ہر نعمت کو اس عورت کے عشق میں ٹھکرا دیا۔ محبت مفرح اور عشنا نے کی ہے حدی شاہ سے۔ وہ جو تقدیر کا لکھا سمجھ کر اللہ کی رضا مان کر خاموش ہو گئی ہیں۔ وہ مفرح جس کا دل گیلی لکڑی کی طرح سلگتا ہے۔ مگر وہ پھر بھی مطمئن ہے اور اس کے لبوں پر آج بھی مجھے دیکھ کر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔ محبت عشنا نے کی ہے۔ جو اپنی ماں کے قدموں میں گر کر گڑگڑائی تھی کہ اماں! میری چاہت کو دنیا والوں کے سامنے رسوا مت کرو۔ وہ اعلاء کا ہے۔ اسے اعلاء کا بننے دو۔ محبت تو بہت فراخ ہوتی ہے اور مقتضیٰ نے محبت کے اس پھول کی ہر پتی کو تار تار کیا ہے۔ وہ محبت نہیں تھی۔ ایک ہوس پرست انسان کی صرف اور صرف ضد اور انا کا معاملہ تھا۔" وہ شدتِ ضبط کے پل صراط سے گزر رہی تھی۔

"تم نے میری تین سال کی ریاضت کو دو لفظوں میں سمیٹ کر رول دیا ہے۔ میں نے جو تمہارے ذریعے اس سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ میں جو تین برسوں سے اس انتظار میں تھی کہ کب مقتضیٰ شاہ کی زندگی میں کوئی عورت آتی ہے۔ وہ جو اس کی بیوی اور محبوبہ ہو گی۔ وہ ہی مقتضیٰ سے نفرت کرے گی بے شمار' بے حساب' میں اسے مقتضیٰ سے نفرت پر مجبور کر دوں گی' مگر بازی تو تم نے ہی الٹ دی ہے نشق۔ مقتضیٰ! تو اب میں حدی شاہ کو اجازت دے دوں گی کہ وہ میرے مجرم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ اسے گہری نیند سلا دے۔"

اعلاء مخملی ڈبا صوفے پر اچھال کر واپس پلٹ رہی تھی اور نشق کا منتشر ذہن کچھ اور الجھتا چلا گیا۔ وہ تو خود اذیت کے تند ریلے میں ___ رات بھر ڈوبتی رہی تھی۔ اپنے یوں بے قیمت ہو جانے پر آنسو بہا رہی تھی۔

www.pkdigest.com

اب اطلاع کی باتوں اور زہر میں بجھے لفظوں کے معنی و مفہوم میں کھوتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

مشوار نے بیوٹیشن کو گھر بلوالیا تھا۔ جس کی تین گھنٹوں کی محنت کے بعد وہ بالکل ریڈی ہو چکی تھی۔ آج اس نے لہنگے کی جگہ گھیردار فراک پہن رکھی تھی۔ یہ سوٹ اسپیشلی وڈیری اماں نے ولیمہ کے لیے تیار کروایا تھا۔ رات کے سوا سات بج چکے تھے۔ جبھی مشوار دروازہ کھولے چلی آئی۔

"وڈیری اماں غصہ کر رہی ہیں۔ کچھ دیر بعد بھرجائی کو لے کر گرین لان میں چلی آنا۔ مہمان تو سب آچکے ہیں اور شہر سے حدی لالہ بھی آئے ہیں۔"

"مگر اطلاع تو چلی گئی ہے۔" عشنا نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں اس کی شاید طبیعت ٹھیک نہیں۔" مشوار نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

"بھرجائی کے میکے والے آگئے ہیں۔" کسی نے دروازے کی جھری میں سے اطلاع دی۔

"پاپا اور ساشی وغیرہ آگئے۔" اس کا غم سے بوجھل دل کچھ سنبھلا۔

"مفی اور مشی! تم دونوں بھرجائی کو لے آؤ۔ میں گاڑی نکلواتی ہوں۔" عشنا اپنا دوپٹہ سیٹ کرتی آئینہ میں خود کو تنقیدی نگاہ سے دیکھ کر اور مطمئن ہو کر باہر نکل گئی۔ وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

جوں ہی اس نے مفرح اور عشنا کی ہمراہی میں پہلا قدم پھولوں کی نرم و نازک پتیوں پر رکھا تھا اس کی نظر انٹرس کی طرف بلا ارادہ ہی اٹھ گئی۔ ان چار خوبرو مردوں میں پانچواں وہ خود تھا۔ ان پانچوں نے ڈنر سوٹ زیب تن کر رکھے تھے اور ان پانچوں میں مقتضٰی شاہ سب سے ممتاز اور الگ نظر آرہا تھا۔ ایک اجنبی مرد تھا۔ جس کی آنکھیں بہت حسین تھیں گہری بھوری سمندر جیسی' بالکل نشق کی آنکھوں کی طرح۔ اب وہ سج سج چلتی ان پانچوں کے قریب آچکی تھی۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟ اور ہمارے اس چارمنگ ہیرو سے کیسے ٹکرائی تھیں۔ یہ تفصیل میں ضرور پوچھوں گا۔" حدی کے لب و لہجے میں بہت شائستگی تھی۔ نشق نے ایک مرتبہ پھر بغور اس کی بھوری آنکھوں کو دیکھا تھا۔ بہت ہی اپنائیت بھری کشش تھی ان آنکھوں میں۔ گہری بولتی دلنشین آنکھیں۔

"چلیے نشا! سب انتظار کر رہے ہیں۔" مقتضٰی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور نشق اس کے نشا کہنے پر بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

"منافق' دوغلا اور..." اسے کوئی مزید نامناسب لفظ نہیں سوجھا تھا۔ تبھی لب بھینچ کر اس کی ہمراہی میں آگے بڑھ گئی۔

اسی پل پاپا اور عادل انکل اسٹیج پر آگئے تھے۔ وہ پاپا سے مل کر بے اختیار رو پڑی تھی۔ پھر اس کی دونوں سالیاں بھی ان کے قریب آگئیں۔ کچھ دیر بعد مقتضٰی بھی چلا گیا تھا۔ اب اسٹیج پر ساشا اور اس کے آٹھ بہن بھائیوں کا قبضہ تھا۔

"پھوپھو کا شروع سے ہی روکھا پھیکا رویہ اکثر مجھے الجھن میں مبتلا کرتا ہے۔ پھوپھو نہ جانے مجھ سے کیوں متنفر رہتی ہیں اور پاپا سے بھی جھگڑتی رہتی ہیں۔"

"چھوڑو ان فضول باتوں کو۔ اچھی اور خوش گوار باتوں کی طرف دھیان دو۔ یار! میں تو تمہارے سسرالیوں کے رہن سہن سے خوب متاثر ہوئی ہوں۔ لگتا نہیں ہے یہ کسی گاؤں کی شادی کا منظر ہے۔ میں نے تو سچ مچ بہت انجوائے کیا ہے۔ ڈھیروں ڈھیر خادمائیں اور بڑی بڑی مونچھوں والے گن مین اور خصوصاً" مقتضٰی بھائی کے دادا جان کی شخصیت اتنی شان دار اور سحر انگیز ہے' بھئی میں تو ان سب پر عاشق ہو چکی ہوں۔"

"ان سب پر عاشق ہونے کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک فرد پر بخوشی عاشق یا فریفتہ ہو جائیے گا۔" مقسط دائیں طرف سے اسٹیج پر چڑھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ ساشا بے اختیار جھینپ گئی۔

"کس پر عاشق ہونے کی اجازت دے رہے ہو؟" نشق نے حیرانی سے پوچھا۔

"مقیت پر۔" وہ بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح منہ پھٹ تھا۔

"مقیت پر ہی کیوں؟" اس نے جرح کی تھی اور ساشا نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"اس لیے کہ مقارب کو عشنا کے ساتھ منسوب کر دیا گیا ہے۔ حدی لالہ اور مقتضٰی بھایا دونوں کی بکنگ ہو چکی ہے۔ باقی میں اور مقیت بچے ہیں تو مجھ پر شوق سے عاشق ہو سکتی ہیں مگر پھر مقیت نے مجھے زندہ نہیں چھوڑنا۔" مقسط نے ہنسی دبا کر شرارت سے کہا تھا اور نشق بھی مسکرا دی۔

"دلہنیں دانت نہیں نکالتیں' کچھ شرم کرو۔" ساشا نے اسے ڈپٹ کر کہا۔ کچھ دیر بعد کھانا سرو کیا جانے لگا تھا۔ پھر پاپا نے وڈیری اماں سے اجازت چاہی۔

"ہم نشق کو ساتھ لے جائیں۔"

"نا بابا! ہمارے ہاں رواج نہیں۔ کچھ دنوں تک نشق اور مکھنی سائیں خود آجائیں گے۔" وڈیری اماں نے سبھاؤ سے انکار کر دیا۔ نشق فنکشن کے اختتام تک بہت تھک چکی تھی۔ کچھ دیر بعد مما نے نشی اور مفی سے کہا۔

"بھرجائی کو لے جاؤ' یہ تھک چکی ہے۔" اور نشق نے بہت تشکر بھری نظروں سے مما کی طرف دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپنے کمرے میں آکر اس نے فوراً اس بھاری لباس اور زیورات سے چھٹکارا پایا۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ وہ نائٹی پہن کر سونے کے لیے لیٹ چکی تھی۔

"اطلاع! مقتضٰی سے نفرت میں کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ اس نفرت کی کیا وجہ ہے۔" اسے اطلاع کی سرخ نگاہوں میں سے نکلتے شعلے عجیب سے خوف میں مبتلا کر گئے تھے۔ ابھی وہ ان ہی سوچوں کے گرداب میں الجھی تھی جب مقتضٰی چلا آیا۔

"کہاں گم ہو؟ میں تو سوچ رہا تھا کہ تم سو چکی ہو گی۔ مگر تم تو خیر سے جاگ رہی ہو۔" اس کے لہجے کی بھرپور معنی خیزیت نے نشق کو بے تحاشا خجل کر دیا۔

"میں تو چاہتا ہوں کہ تم جاگتی رہو۔" وہ بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

"اور آپ سوتے رہیں۔" نشق نے گزشتہ رات کے حوالے سے طنزیہ کہا۔

"نہیں' آج وعدہ رہا' تمہیں سلا کر ہی سونے کی جرأت کروں گا۔" اس کا انداز بہت ہی محبوبانہ قسم کا تھا۔

"میں تو زبردستی آپ کی زندگی میں داخل کی گئی ہوں۔ پھر ان سب باتوں کا کیا مقصد ہے؟"

"اب تو زبردستی ہو چکی ہے۔ نکاح کے ایگریمنٹ پر دستخط کر دیے ہیں۔ تم ملکیت میں آچکی ہو۔ سمجھوتہ تو کرنا پڑے گا۔" وہ شرارتی نظروں سے اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔ کچی نیند کا خمار آنکھوں میں بھرے وہ مقتضٰی کو اچھا خاصا ڈسٹرب کر چکی تھی۔ نشق اس کی نظروں کے ارتکاز کو محسوس کر کے قدرے سمٹ کر بیٹھ گئی۔ "مگر مجھے سمجھوتہ بھری زندگی نہیں گزارنی۔"

"اس کمپرومائز شدہ لائف میں بھی کبھی رومانس کا تڑکا بھی لگا دوں گا۔" مقتضٰی نے اسے سمٹتے دیکھ کر ہاتھ بڑھا کر نرمی سے خود سے قریب کر لیا۔

"یہ جتاؤ' کالونی کی سڑک پر اتنا زور سے ٹکرانے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ کسی اور طریقے سے بھی تو متوجہ کر سکتی تھیں تم۔" مقتضٰی بات بدل کر اسے بیتی ساعتوں کے حوالے سے چھیڑنے لگا۔

"ہم سوری' اپنی نادانی میں نہ جانے میں کیا کیا کرتی رہی ہوں۔" نشق نے پشیمانی سے کہا۔

"مجھ سے بہت محبت کرتی ہو نا نشق!"

"ہاں' ہاں... ہاں۔" نشق نے تکیہ منہ پر رکھ کر کہا۔ "آپ اپنی انا کو تقویت دیتے رہیں۔"

www.pkdigest.com

"کیسی تقویت؟" وہ حیران ہوا۔
"یہ ہی کہ نشق جہانگیر مجھ پر مرتی ہے۔"
"میں نے محبت کرنے کے لیے کہا ہے۔ مرنے ورنے کے لیے نہیں۔" وہ اسے اپنے حصار میں لیتا ہوا گمبھیر لہجے میں بولا۔
"تمہاری آنکھیں اکثر مجھے ایک وہم میں مبتلا کردیتی ہیں۔"
"کیسا وہم؟" نشق چونکی۔
"یہ ہی کہ میں ان بھورے نینوں میں کہیں گوڈے گوڈے ڈوب نہ جاؤں۔" وہ نشق کے خوشبو میں لٹاتے سراپے میں گم ہوگیا تھا اور نشق اس کی گہری بات کی معنویت کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"یہ بتاؤ عشنا! کہ احلاء کون ہے؟" کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد نشق نے لہجے کو سرسری سا بنا کر پوچھا۔
"حدی لالہ کی بیوی ہے۔"
"اس گھر سے احلاء کا کیا تعلق ہے؟" وہ یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ احلاء کا مقتضیٰ سے کیا تعلق ہے مگر جھجک آڑے آگئی۔
"پیر شاہ کے بہت خاص قرابت دار' درویش بابا ہیں۔ ان کی بیٹی ہے احلاء' بابا ہمارے دربار کے مجاور ہیں۔ اور پیر شاہ کو خاص انسیت ہے ان سے۔"
"اس لیے تو ان کی بیٹی کو اپنے پوتے سے بیاہ دیا ہے انہوں نے۔" نشق نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔
"پہلے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی پھر احلاء کو کسی نے اغوا کرلیا۔ اس کے واپس آنے کے بعد' پیر شاہ نے حدی لالہ سے احلاء کا نکاح کردیا تھا۔" عشنا سادگی سے بتانے لگی۔
"کس نے احلاء کو اغوا کیا تھا؟" نشق ٹھٹک سی گئی۔
"یہ تو نہیں پتا' البتہ سننے میں آیا تھا کہ احلاء کا چاچا اسے اغوا کرکے لے گیا تھا۔"
"اور پھر چھوڑ بھی گیا۔ ویری امیزنگ' تم سب نے اس کہانی پر یقین کرلیا؟" نشق نے کچھ طنز بھرے انداز میں کہا۔
"ظاہر ہے پھر اور کرتے بھی کیا۔ ادھر احلاء کچھ بھی بتانے کو تیار نہیں تھی۔"
"احلاء کی مقتضیٰ کے ساتھ کوئی رنجش چل رہی ہے؟" نشق نے بہت ہی سبھاؤ کے ساتھ الفاظ کا چناؤ کیا تھا۔
"رنجش' کیسی رنجش؟" عشنا تھوڑا سا گڑبڑائی۔
"پلیز عشنا! جھوٹ مت بولنا۔ میں پہلے ہی کچھ اَپ سیٹ ہوں۔" اس نے لجاجت سے کہا۔
"نہیں بھرجائی! ایسی کوئی بات نہیں۔"
"ایسی بات ضرور ہے۔ تم بغیر جھجک کے مجھے کھل کر بتاؤ' میں مقتضیٰ سے کچھ بھی نہیں کہوں گی۔" نشق نے اسے تسلی دی۔
"زیادہ تو کچھ نہیں' بس بھایا اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔" عشنا نے جھجکتے ہوئے بالآخر بتا ہی دیا۔
"اور احلاء؟"
"وہ انہیں کچھ پسند نہیں کرتی تھی۔"
"کیوں؟" نشق حیران ہوئی۔ "بھلا مقتضیٰ کو ناپسند کیا جاسکتا ہے۔" اس نے بے اختیار سوچا۔
"وہ شاید حدی لالہ سے محبت کرتی تھی۔ اور لالہ بھی اسے چاہتے تھے۔ اور اس بات کا صرف مجھے پتا تھا' پھر میں نے مفرح کو بھی بتا دیا۔ البتہ بھایا قطعاً لاعلم تھے اور انہیں اس بات پر شدید غصہ تھا کہ احلاء نے انہیں بغیر کسی وجہ کے ریجیکٹ کردیا ہے۔"
"حدی لالہ نے احلاء کے اغوا شدہ ہونے کے باوجود شادی کیسے کرلی؟" نشق نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
"محبت جو تھی اور بے تحاشا تھی۔ کبھی انہوں نے ظاہر ہی نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ احلاء کو اس قدر چاہتے ہیں۔ حالانکہ وڈیری اماں نے کچھ مخالفت کرنا چاہی تھی مگر پھر پیر شاہ کے فیصلے سے ٹکرانے کی ہمت نہیں تھی ان میں۔" عشنا کچھ پھیکے سے لہجے میں بتا کر خاموش ہوگئی تھی اور نشق بے اختیار احلاء کی باتیں سوچنے لگی۔
"محبت تو عشنا نے کی ہے۔ محبت تو مفرح نے کی ہے۔ مقتضیٰ کی محبت تو صرف ہوس تھی۔ محبت تو حدی شاہ نے کی ہے۔" وہ کچھ بے دلی سے اٹھ کر لان میں آگئی تھی۔ اس قدر تیز چلچلاتی دھوپ تھی مگر آن کی آن میں نہ جانے کہاں سے سفید بادلوں کے ٹکڑے تیرتے ہوئے آگئے۔ وہ باغ میں ٹہلنے لگی۔ اسی پل رمزی تقریباً بھاگتے ہوئے پھاٹک سے داخل ہوئی۔
"خیریت رمزی! کہاں جارہی ہو۔"
"مردانے میں اطلاع دینے۔" وہ پھولی سانسوں سمیت بولی۔
"کیسی اطلاع؟" نشق کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔
"بی بی! درویش بابا انتقال کرگئے۔" پیچھے سے وڈیری کی آواز آئی۔
"جی بی بی!" رمزی نے اثبات میں سر ہلایا۔
"احلاء کے والد..." نشق کے لبوں سے نوحہ سا برآمد ہوا تھا۔ وہ افسوس کے عالم میں سر ہلانے لگی تھی اور دور مسجد کے سفید میناروں سے کسی کی سوز و گداز میں ڈوبی آواز سنائی دے رہی تھی۔
تیرے عشق نے مالا مال کیا تیرے عشق نے
نہ یہ پوچھ کہ کیا میرا حال کیا تیرے عشق نے
نشق کا دل گویا پانی بن کر بہنے لگا تھا۔ آنسو بن کر پگھلنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

مقتضیٰ بھی درویش بابا کی وفات کا سن کر آگیا تھا۔ مقاربِ' مقسط اور مقیت بھی پہنچ گئے تھے۔ پیر شاہ نے اپنے ہاتھوں سے درویش بابا کو غسل دیا تھا اور پھر تربت کی مٹی کو ہاتھ میں پکڑ کر نم آواز میں بولے۔ "میرے رفیق' میرے دوست! تم بامراد دنیا سے گئے ہو۔ آج تمہارا اپنے رب سے ملاقات کا دن ہے۔ خدا نے تمہیں چن لیا ہے۔ تم نے اسلام کی روشنی سے اپنے دل کو ہمیشہ کے لیے منور کرلیا ہے۔ اللہ تمہاری آخرت کی تمام منزلوں کو آسان فرمائے۔ ہم نے تمہیں خدا کی امان میں دے دیا۔"
وہ جیکب آباد کا ہندو تھا۔ جس نے خیرپور میں آکر اسلام قبول کیا۔ اس نے خیر کا راستہ اپنا لیا تھا۔ بعد نمازِ عصر انہیں سید حضرت معصوم شاہ کے دائیں جانب سپردِ خاک کردیا گیا۔
صدمے سے ٹوٹی بکھری احلاء بھی دو دن بعد واپس چلی گئی تھی۔ اس کی ڈیلیوری کی دن قریب تھے۔
نشق نے مقتضیٰ کو درویش بابا کی وفات پر روتے دیکھا تھا۔ نشق کو بے حد حیرت ہوئی تھی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ ندامت کے آنسو تھے۔
وقت دبے پاؤں گزر رہا تھا۔ ایک صبح شہر سے اطلاع آئی۔ حدی شاہ کا بیٹا ہوا ہے اور ادھر پورے "قصر مقتضیٰ" میں جشن منایا گیا۔
"احلاء نے بیٹا پیدا کرکے وڈیری اماں کا دل جیت لیا ہے۔" مفرح' مشی سے کہہ رہی تھی۔
"آج کے دور میں بھی لوگ بیٹوں کی آمد پر اس قدر خوشی کا اظہار کرتے ہیں' اور اپنے تمام طیطنے اور غرور کو بھلا بیٹھتے ہیں۔" مٹھائیاں تقسیم کرتی وڈیری اماں کو دیکھ کر نشق بے اختیار سوچے گئی۔
"بھرجائی! تم کیا سوچ رہی ہو؟ فکر مت کرو' بھایا کے بچے کا جشن تو سات دن تک منایا جائے گا۔" مغفی نے شرارت سے کہا۔
"اور اگر بیٹی ہوئی تو؟" اس نے خوف زدہ انداز میں پوچھا۔ اسے مقسط کی بات یاد آئی تھی کہ اس خاندان کی عورتیں بہت شدت پسند ہیں۔
اور مقتضیٰ کو بھی تو بیٹے کی آرزو تھی۔
وہ سوچوں کے تانے بانے میں الجھی اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ یوں ہی بے سبب سوچنے سے بہتر تھا کہ وہ اپنی وارڈروب ہی ٹھیک کرلیتی۔ سوچوں ہی اس

www.pkdigest.com

نے الماری کے نچلے کیبنٹ کھولے' پہلی نگاہ نفیس سی پیکنگ میں لپٹے بہت سے تحائف پر پڑی۔ اس نے باری باری تمام پیکٹس کھول دیے۔ ساڑھیاں' سوٹ' جیولری' کچھ میں کتابیں تھیں۔ سب سے آخر میں وہ گرے رنگ کے مخملی ڈبے کو کھولنے لگی تھی۔ اسے یاد آیا تھا کہ یہ گفٹ اعلاء نے اسے دیا تھا جو کہ بے دھیانی میں اس نے کیبنٹ میں رکھ دیا تھا۔

مخملی کیس کھل چکا تھا اور نشق ششدر سی دیکھتی رہ گئی۔ کالے رنگ کی ٹوٹی چوڑیوں کے کانچ کون سانوحہ سنا رہے تھے۔ کیسی آوازیں تھیں' کیسا شور تھا' کون سا ہنگامہ تھا دل میں کیسی ٹیس اٹھنے لگی تھی۔

"کیا ہے یہ؟ کیا ہے یہ..." وہ بے اختیار چیخی۔

"نہیں مقتضیٰ! تم ایسا نہیں کرسکتے۔ تم ایسا ہرگز نہیں کرسکتے۔" اس نے غم کی شدت سے اپنے بال نوچ ڈالے۔

بہت سے پردے آنکھوں کے سامنے سے ہٹ چکے تھے اور یہ کیسی کریہہ تصویر نظر آرہی تھی' رو' رو کر اس کا حلق خشک ہوگیا تھا۔ آنکھیں سوج کر کھلنے سے انکاری تھیں۔ مگر اسے اپنی چیخوں پر کوئی اختیار نہیں تھا۔

مقتضیٰ کمرے میں داخل ہوا تو نشق کو دیکھ کر حیرانی رہ گیا۔ دوسرے ہی پل وہ فکرمندی سے اس کے قریب دوزانو بیٹھ گیا۔

"نشق' نشی! کیا ہوا ہے؟ خیریت ہے؟ کسی کا فون تو نہیں آیا؟" اس نے گھبرا کر نشق کو جھنجوڑا۔

"کوئی خیریت نہیں۔ کچھ اچھا نہیں' سب برا ہے' بدترین ہے' تم بھی برے ہو' گندے ہو' منافق' تمہاری عبادتیں' نمازیں' سب بے کار ہیں۔" نشق چیختے ہوئے اس پر جھپٹ پڑی۔

"کیا پاگل پن ہے نشق!" اس نے کچھ سختی کے ساتھ نشق کے دونوں ہاتھ جکڑ لیے۔

"تم اتنے غلیظ آدمی ہو تم' چھی' تھو... مجھے کراہیت آرہی ہے۔" وہ ایک مرتبہ پھر چلائی۔

"یہ سب کیا ہے؟" نشق نے چوڑیوں کے کانچ دونوں ہاتھوں میں بھینچ کر اچھال دیے۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ننھے منے کئی کانچ کھب کر رہ گئے تھے اور خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔

"بتاتا ہوں... سب کچھ بتاتا ہوں۔ پہلے یہ پانی پیو' دیکھو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔" مقتضیٰ نے لجاجت سے کہا۔

"میرے اندر تم نے سناٹے اتار دیے ہیں۔ تم نے نشق کو مار دیا ہے۔ اس کی ہنسی' خوشی اور محبت کا گلا گھونٹ دیا ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"جو کچھ تم سمجھ رہی ہو' ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔" مقتضیٰ نے بہت ضبط کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

"مجھے کچھ بھی نہیں سننا۔ کسی صفائی' کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں جان چکی ہوں۔" وہ حقارت سے بولی تھی۔ پھر اٹھ کر سوٹ کیس میں کپڑے رکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ وڈیری اماں کے روکنے کے باوجود ڈرائیور کے ہمراہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اس وقت گھر نہ چھوڑ کے آتی تو شاید صدمے کی شدت سے اس کے حواس کھو جاتے۔ بکھرے ٹوٹے وجود کو گھسیٹتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ خانساماں کی نظر اس پر پڑی تو بولا۔

"بیٹا جی! یوں اچانک بغیر بتائے؟"

"پاپا کہاں ہیں؟" اس نے بھاری بوجھل آواز میں بمشکل کہا۔

"وہ اسٹڈی روم میں ہیں' بڑی بیگم آئی ہیں۔"

"کون سی بڑی بیگم؟" وہ چونکی۔

"صاحب کی بڑی آپا۔" خانساماں واپس کچن میں چلا گیا تھا۔ نشق خود کو گھسیٹتی اسٹڈی سے ملحقہ پاپا کے کمرے میں آگئی۔ اس وقت وہ کم از کم اس حالت میں پھوپھو کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ابھی وہ صوفے پر لیٹنے کے متعلق سوچ رہی تھی' جب اسٹڈی روم سے پاپا کی اکھڑی اکھڑی سی آواز سنائی دی۔

"آپا! میں اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیوں؟"

"آپ خوامخواہ میرے زخموں پر نمک مت چھڑکیے۔" پاپا کی آواز میں گہرے دکھ بول رہے تھے۔

"تم تمام عمر نادانیاں کرتے رہے ہو۔ اب ہی کوئی ڈھنگ کا فیصلہ کرلو۔" پھوپھو نے جواباً تنک کر کہا۔

"میں اپنی پراپرٹی میں سے اپنے بھانجے بھانجیوں کا حصہ الگ کردوں گا۔ آپ اس معاملے میں کانشس مت ہوں۔"

"یہ بات نہیں جہانگیر!" پھوپھو شاید شرمندہ ہوگئی تھیں۔

"میں تو صرف اتنا کہہ رہی ہوں' اب اس لڑکی سے رابطہ رکھنے کی ضرورت نہیں' بہت ناز اٹھائے ہیں ہم نے' پڑھایا لکھایا ہے۔ اچھی جگہ شادی کردی' اب اور کیا کرنا چاہتے ہو' تمام فرائض تم نے ادا کردیے۔"

"وہ کوئی غیر نہیں' میری بیٹی ہے۔" پاپا نے غصے سے کہا۔ نشق حیرانی سے ان کی گفتگو سن رہی تھی کہ پاپا اور پھوپھو کس کے متعلق بات کررہے ہیں۔

"وہ تمہاری نہیں' تمہاری بیوی کے پہلے شوہر کی بیٹی ہے۔ سنا تم نے' اب آئندہ اس کے ساتھ روابط بڑھانے کی ضرورت نہیں۔" آپا غصے سے پھنکاریں۔

"نشق میری اپنی بیٹی ہے۔" اس نے میری گود میں آنکھیں کھولی تھیں۔ اس کے منہ سے نکلنے والا پہلا لفظ پاپا تھا۔ وہ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔" وہ بھرائی آواز میں بولے۔

"تم جانتے تھے کہ تم کبھی باپ نہیں بن سکتے۔ اس کے باوجود کیوں خود کو جھوٹے بہلاووں سے مطمئن کرتے رہے ہو۔ وہ بیماری کی پوٹ خود تو مرگئی ہے مگر اس عذاب کو ہمیشہ کے لیے تمہارے لیے چھوڑ گئی۔"

"آپا! بس کریں' اور ایک لفظ بھی زبان سے مت نکالیے گا۔ نشق میری زندگی ہے۔ میری آتی جاتی سانسوں کی ضمانت ہے۔ میرے وجود کا حصہ ہے۔" پاپا کیا کہہ رہے تھے' نشق کے سائیں سائیں کرتے دماغ سے گرم دھوئیں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ اس سے کچھ سنا ہی نہیں گیا تھا۔ کیا ضروری تھا سارے انکشافات آج ہی اس کے نازک دل پر گھاؤ لگاتے۔

"نہیں پاپا! میں صرف آپ کی بیٹی ہوں۔ میں کسی کی بیٹی نہیں' میں صرف آپ کی نشق ہوں۔" وہ روتے روتے نہ جانے کب بے ہوش ہوکر کارپٹ پر گر گئی تھی۔

خانساماں اس کے لیے جوس لے کر آیا تو اسے بے ہوش دیکھ کر گھبرا کر اسٹڈی روم کی طرف بھاگا۔ کچھ دیر بعد اسے اسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ پاپا کی حالت غیر تھی۔ انہیں یقین تھا کہ نشق سب کچھ جان چکی ہے۔ اسی لیے ان کا دل کسی گہرے گڑھے میں گر رہا تھا۔ ڈاکٹرز کہہ رہے تھے کسی اچانک صدمے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔

جب اس نے آنکھیں کھولیں تب اس کا سب کچھ ختم ہوچکا تھا۔ وہ اپنے پاپا کو کھو چکی تھی۔ اپنے بچے کو کھو چکی تھی۔ اس کے دل کا بڑا نقصان ہوا تھا۔ وہ تڑپتی کیسے نا۔ پاپا اسے بازوؤں میں لے کر بے اختیار رو پڑے۔

"نشق! میری بیٹی مت رو' یہ دنیا جو مرضی کہے مگر تو میری بیٹی ہے' میری نشا ہے۔"

"پاپا! میں کون ہوں؟ میرا حوالہ کس کے ساتھ جڑا ہے؟ میری شناخت کیا ہے؟" وہ ان کے بازوؤں میں مچل مچل کر رو دی۔ ڈاکٹر نے اسے پرسکون رہنے کا انجکشن لگا دیا تھا۔ تب ہی وہ تین' چار گھنٹے تک سوتی رہی۔

تیسرے دن اسے ڈسچارج کردیا گیا تھا۔ گھر آکر وہ سارا دن کمرے میں بند رہنے لگی تھی۔ پاپا حیران تھے۔ وہ اتنے دنوں سے ادھر کیوں ہے۔ مگر اس کی طبیعت کے پیش نظر فی الحال خاموش تھے۔ ساشا سارا دن اس کے پاس رہتی تھی۔ کبھی کبھی نشق' ساشا سے بھی الجھنے لگتی۔

"مقتضیٰ بھائی کیوں نہیں آئے؟ تم اتنے بڑے حادثے سے دوچار ہوئی ہو' انہیں اطلاع دی ہے کہ نہیں؟"

www.pkdigest.com

"نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔
"کیوں؟" ساشا حیران ہوئی۔
"میری مرضی۔"
"مانا کہ تمہارے لیے یہ صدمہ بہت بڑا ہے نشق! مگر تمہیں کم از کم مقتضیٰ بھائی کو تو بتانا چاہیے تھا۔ انکل ہی انہیں اطلاع کر دیتے۔"
"میں نے پاپا کو منع کیا ہے۔"
"وجہ؟" ساشا ناگواری سے بولی۔
"ابھی میں بہت سے صدمات کے زیر اثر ہوں۔ مجھے سنبھلنے میں کچھ وقت لگے گا۔ جب دل قدرے ٹھہر گیا تو خود ہی واپس چلی جاؤں گی۔ اس لیے کہ میرا آخری ٹھکانہ اب وہی ہے یہ گھر یہ "نشق لاج" تو پانی پر کھڑا ہے۔ میرا اصل گھر تو قصر مقتضیٰ ہے۔ جس کی بنیادوں کو مجھے خود ہی مضبوط کرنا پڑے گا اور اس کے لیے کافی وقت درکار ہے۔ میں کچھ دنوں تک چلی جاؤں گی ساشی!" وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔
"تمہارے دل پر کوئی بوجھ ہے تو اسے ہلکا کر لو نشی۔" ساشی نے بے اختیار اسے ساتھ لگا کر نرمی سے کہا۔
"میرا دل غم کے احساس میں اس وقت دب چکا ہے۔ میں تمہیں بتاتی ہوں ساشی!" نشق آنسوؤں کے درمیان سب کچھ کہتی چلی گئی۔ ساشی فق چہرہ لیے سنتی رہی پھر بے اختیار رو پڑی۔
رات کو پاپا اس کے کمرے میں چلے آئے تھے۔ وہ بہت مضطرب تھے۔ ان کی آنکھوں کے گوشے نم نم تھے۔ نشق کے دل کو بے اختیار کسی نے گویا مٹھی میں مسل دیا تھا وہ پاپا کے سینے سے لگی بے اختیار بولی۔
"آئم سوری پاپا! میری وجہ سے آپ کس قدر پریشان رہے ہیں۔"
"میری جان! تم خوش رہو۔ میری بس یہ ہی خواہش ہے۔ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے تمہاری ماں سے وعدہ کیا ہے۔"
"پاپا! کیا ممی بھی میری اصلی ماں نہیں ہیں۔" اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔
"صنم تمہاری حقیقی ماں تھی نشا!" کچھ دیر بعد وہ آہستگی سے بولے تھے۔ "میں تمہیں شروع سے بتاتا ہوں۔" انہوں نے کہنا شروع کیا۔
"صنم سے میری پہلی ملاقات کراچی ٹی وی اسٹیشن کے باہر ہوئی تھی۔ وہ پندرہ، سولہ سالہ لڑکی چھوٹے موٹے رول کے چکر میں سارا سارا دن ادھر ادھر بھاگتی پھرتی تھی۔"
اس نے مجھ سے پچاس روپے مانگے تھے۔ میں اس وقت اپنے دوست سے ملنے کے لیے ٹی وی اسٹیشن آیا تھا۔ میں نے صنم کو پچاس کی بجائے سو روپے کا نوٹ دے دیا۔
وہ نوٹ پکڑ کر کافی دیر کھڑی رہی۔ شاید سوچنے لگی تھی کہ وہ پیسے لے یا نہ لے۔ تھوڑی دیر اس کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اس نے نوٹ پکڑ لیا۔ اور میرا شکریہ ادا کر کے بولی۔
"صاحب! میں تمہارا پیسہ واپس کس پتے پر کروں؟"
"رہنے دو، واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے متانت سے منع کر دیا۔
"نہ میں کوئی زکوٰۃ، خیرات کھانے والی ہوں۔" وہ سخت برا مان گئی۔ "اپنا پتا بتاؤ، میں تم سے پیسے تبھی لوں گی، ورنہ یہ لو اپنا سو روپیہ۔" اس نے کافی غصے کے عالم میں روپے میری طرف بڑھا دیے۔
"اوکے، میں تمہیں اپنا پتا بتاتا ہوں۔" میں نے اس کے تیور دیکھ کر فوراً" ہار مان لی تھی۔
وہ پورے تین سال بعد مجھے ایک سو روپیہ لوٹانے کے لیے آئی۔ اسے فلموں یا ڈراموں میں تو نہیں البتہ اسٹیج پر ایکسٹرا ڈانسر کا کام مل ہی گیا تھا اور وہ بہت خوش اور مسرور تھی۔ اس کے بڑے بڑے خواب تھے۔ اسے ایک گھر کی چاہ تھی۔ وہ بہت سادہ سی لڑکی تھی۔
مجھے ان دنوں قنوطیت کے دورے پڑتے تھے۔ ہر وقت میں بے زار اور اداس رہا کرتا تھا۔ اس لیے کہ میری پہلی شادی ناکام ہو گئی تھی۔ اولاد نہ ہونے کے جرم میں مجھے میری بیوی نے چھوڑ دیا تھا۔ میں نے خود

کو بزنس میں مصروف کر لیا۔ میں گھر کم ہی آتا تھا۔ اسی طرح چھ سال مزید گزر گئے۔ میرے ذہن سے صنم نامی اسٹیج ڈانسر خود بخود نکل گئی۔
وقت بیتتا رہا اور یوں پورے ساڑھے دس سال بعد صنم ایک مرتبہ پھر میرے پاس چلی آئی۔ وہ بہت پریشان تھی۔ بیمار تھی۔ وہ پہلے والی صنم سے یکسر مختلف لگ رہی تھی۔ اسی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ایک جاگیر دار کے بیٹے سے شادی کر چکی ہے۔ اس کا ایک نو سالہ بیٹا ہے۔ وہ مجھ سے کچھ پیسے لینے کے لیے آئی تھی۔ میں نے اسے پچاس ہزار کے قریب رقم دی تھی مگر یہ رقم وہ لوٹا نہیں سکی تھی۔
اڑھائی سال بعد صنم مجھے ایک سرکاری ہسپتال کے احاطے میں ملی۔ وہ بہت ٹوٹی بکھری تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کا شوہر بچہ چھین کر لے گیا ہے اور وہ نہ صرف بیمار تھی بلکہ اس وقت حاملہ بھی تھی۔ میں اسے گھر لے آیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس کی معصومیت پر ترس آیا کرتا تھا۔
پھر تم پیدا ہوئیں تو میں نے تمہارا نام نشق رکھا۔ میں، جو بچوں کا دیوانہ تھا تمہیں پا کر خود کو بھی بھول گیا۔ اپنے ایک عزیز کے مشورے کے بعد میں نے صنم سے نکاح کر لیا۔ اس نکاح کی خبر نے میری آپا کو مشتعل کر دیا تھا۔ وہ بہت عرصہ تک مجھ سے ناراض رہی تھیں۔
صنم مجھ سے عمر میں بہت چھوٹی تھی۔ اس کے باوجود وہ بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی تھی۔ یوں کہ میرے اندر کوئی محرومی نہیں رہی تھی۔
اس نے مجھے اپنی گزشتہ زندگی کے بارے میں صرف اتنا بتایا تھا کہ زوار شاہ نامی وہ جاگیر دار اپنے خاندان سے باغی ہو کر بہت مضطرب رہتا تھا۔ اسی اضطراب کے عالم میں وہ اکثر صنم کو مارتا پیٹتا تھا۔
بہر حال میں نے کبھی اس ذکر یا صنم کے ماضی میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ مجھے تمہارے حقیقی باپ کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔
اگر سمجھتی ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو مجھے معاف کر دینا بیٹا! میں نے تمہیں حقیقت اس لیے نہیں بتائی تھی کہ تمہاری ماں نے مجھے منع کر رکھا تھا۔ اگر وہ چاہتی تو تمہیں خود سب کچھ بتا دیتی۔ مگر وہ تمہیں ٹوٹنے بکھرنے سے بچانا چاہتی تھی۔" پاپا کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں واضح ہونے لگی تھیں۔ نشق نے آنکھوں میں اتری دھند کے پار دیکھا۔ منظر صاف و شفاف تھا۔ وہ بے اختیار پاپا سے لپٹ کر رونے لگی۔

☼ ☼ ☼

"سیون ایم ایم کی تین گولیاں اس کے آر پار اتر گئی تھیں، مگر وہ پھر بھی بچ گیا ہے۔ اس وقت ہسپتال میں ہے مگر امید نہیں کہ زیادہ دیر زندہ رہ سکے۔" حدی شاہ فون پر کسی سے مخاطب تھا۔ احلاء بیڈ روم میں داخل ہوئی تو وہ جاندار انداز میں مسکرایا۔
"کہاں تھیں اتنی دیر سے اور میرا ولی عہد کہاں ہے؟"
"میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اور علی آپا کے پاس ہے۔" وہ آہستہ روی سے اس کے قریب چلی آئی۔
"کس سے بات کر رہے تھے؟"
"کیوں؟ آپ کس لیے پوچھ رہی ہیں۔" حدی نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں میں دیکھا۔ ایک انجانا سا اضطراب احلاء کی آنکھوں میں ہلکورے لے رہا تھا۔
"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان ہو؟" وہ فوراً" اپنی محبوب بیوی کی آنکھ میں اتری نمی کو دیکھ کر چونک گیا۔
"بتائیے نا! آپ کس سے بات کر رہے تھے؟" احلاء نے بے چینی سے پوچھا۔
"اپنا ایک وفادار ہے۔" اس نے گول مول سے انداز میں کہا۔ "اسی سے بات کر رہا تھا۔"
"کسے گولیاں لگی ہیں؟"
"تم جان کر کیا کرو گی۔"
"بتائیے نا!" احلاء نے اپنا سر اس کے شانے سے ٹکا کر حلاوت بھری بے صبری سے پوچھا۔
"قصر مقتضیٰ والوں کے "لاڈلے" سپوت کو۔"

www.pkdigest.com

"مکھنی شاہ کو گولیاں لگی ہیں؟" اس نے دہل کر کہا۔
"ہاں۔۔۔"
"کس نے یہ سب کروایا ہے۔" اطلاع نے لرزتی آواز میں کہا۔
"میں نے۔" وہ اطمینان سے بولا۔
"آپ نے۔۔۔ نہیں حدی شاہ میں نہیں مانتی۔" وہ بے اختیار لبوں پر ہاتھ رکھے اپنی امڈتی چیخ کو دبا کر بولی۔
"تمہارے "مجرم" کا اس سے بہتر انجام کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"
"میں اسے معاف کر چکی ہوں۔"
"مگر میں نے مقتضیٰ کو معاف نہیں کیا۔ تم بتاؤ یا نہ بتاؤ میں بالآخر جان گیا ہوں کہ تمہیں اسی کمینے نے اغوا کیا تھا۔ میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ میری بیوی کا مجرم سرعام پھرتا رہے۔" وہ تڑخ کر بولا۔ آخر تھا تو جاگیردار کا بیٹا۔ غصہ اور انا تو اس میں بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔
"اس نے تمہیں رسوا کیا' بدنام کیا۔ جب جب سوچتا ہوں' رگوں میں دوڑتا خون ابلنے لگتا ہے۔ اس نے پیر شاہ کے شملے کو نہیں دیکھا۔ اس نے اپنے منصب کو نہیں دیکھا۔ اس نے درویش بابا کی سفید داڑھی کو نہیں دیکھا۔ اگر وہ بچ بھی گیا تو میں پھر اسے مارنے کی کوشش کروں گا۔ میں اسے مار دینے کا عہد خود سے کر چکا ہوں۔" وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا باہر نکلنے لگا تھا پھر رک کر پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
"کھانا لگاؤ۔۔۔ میں ابھی آرہا ہوں۔" اطلاع کے قدموں میں گویا جان باقی نہیں رہی تھی۔
"میں بھی تو ایسا ہی چاہتی تھی پھر اس قدر دل اداس کیوں ہے۔ یہاں بائیں پہلو میں رات کے سناٹے کیوں اتر آئے ہیں۔ یہ دل غمزدہ کیوں ہے؟" وہ بے اختیار سوچے جا رہی تھی۔ فارم ہاؤس کی وہ بھیانک رات پوری جزئیات سے اپنا ایک ایک درد بتانے لگی۔
"آئی ایم سوری اطلاع! ریلی سوری' میں کچھ بہک گیا تھا۔ مجھے معاف کر دو۔" نہ جانے اطلاع میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی کہ وہ ایک جھٹکے سے مقتضیٰ کی گرفت سے خود کو چھڑا کر دیوار کے ساتھ جا لگی۔
"اللہ کرے تم مر جاؤ مقتضیٰ! تم مر جاؤ۔۔۔" اطلاع کا پورا وجود لرز رہا تھا۔
"شکر ہے کوئی نقصان نہیں ہو گیا۔" مقتضیٰ مطمئن تھا۔
"عورت کو تمہارے جتنا ہی مضبوط ہونا چاہیے۔" اب وہ اسے سراہ رہا تھا اور خود پر نفرین بھیج رہا تھا۔
"یہ شیطان مردود تو اطلاع کے سامنے ذلیل کر کے چھوڑے گا۔ مگر میرے اللہ نے بھرم رکھ لیا ہے۔ جذبات کے طوفان نے مجھے میری نظر سے نہیں گرا دیا۔ اب میں اسے گھر پہنچا دیتا ہوں۔ ویسے بھی میرے علاوہ اس کا ہاتھ تھامنے والا بھلا کون ہو گا۔ دس راتوں سے غائب شدہ لڑکی کہاں اعتبار کے قابل ہوتی ہے۔ اسے میرے پرپوزل کو قبول کرنا ہی ہو گا۔ بہت اکڑ اور نخرہ ہے اس میں۔ خود بخود سیدھی ہو جائے گی۔"
اس کے نزدیک بڑا نقصان ہوتے ہوتے رہ گیا تھا لہٰذا وہ ہلکا پھلکا تھا کہ ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں۔ اس کے نزدیک ایک لڑکی کے پندار کو ٹھیس پہنچانا کسی بھی جرم میں شمار نہیں ہوتا تھا۔
"اطلاع! جلدی سے چادر لے آؤ میں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوا تو اطلاع اپنی ٹوٹی چوڑیوں کو اکٹھا کر کے چادر کے پلو میں باندھ رہی تھی۔
"رہنے دو۔ سونے سے نیلا پیلا کر دوں گا تمہیں۔"
"تم کیا جانو کہ ان ٹوٹے کانچ کے ٹکڑوں کی بھلا کیا قدر ہوتی ہے۔ یہ ان سے پوچھنا جو اپنی نسوانیت کا غرور کھو بیٹھتے ہیں۔ بڑی شان سے تمہارے خیرپور میں سر اٹھا کر چلتی تھی۔ اب وقت یہ آن پڑا کہ تمہارے ملازموں کے سامنے نظر نہیں اٹھا پاؤں گی۔"
"ہونہہ! کسی کی جرأت ہے۔ تمہیں کچھ کہہ کر تو کوئی دیکھے۔ کوئی نہ اتار دوں۔" وہ غرور سے کہتا باہر نکلتا چلا گیا تھا۔
"میں تمہیں دنیا سے پردہ پوش دیکھنا چاہتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ تمہارا نام و نشان مٹ جائے۔ مگر یہ دل پھر بھی مسرور نہیں ہے۔ کیونکہ اس دل کو نشق کی بیوگی کے خوف نے لرزا کر رکھ دیا ہے۔ وہ چار ماہ کی بیاہتا' بیوگی کی چادر اوڑھ کر ہزیرہ فاطمہ کی طرح عمر بتا دے گی۔ نہیں میرے اللہ! نشق کے محبوب کو اس سے جدا مت کرنا۔ ابھی تو اس کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ بھی پھیکا نہیں پڑا۔ مکھنی شاہ کو زندگی بخش دے۔ میں حدی شاہ کے صدقے اسے اس دن سے معاف کر چکی ہوں' جب میرے بابا کی میت اٹھانے آیا تھا اور اس کی آنکھ میں ندامت کے موتی چمک رہے تھے۔" وہ جائے نماز پر بیٹھ کر بے اختیار رو دی۔

☼ ☼ ☼

"نشق! جلدی سے اٹھو بیٹا! ہمیں ملتان جانا ہے۔" پاپا کی آواز میں تفکر اور اضطراب جھلک رہا تھا۔
"کیوں پاپا! خیر تو ہے۔" اس کا دل بےقرار ہو کر دھڑکا۔
"خیریت نہیں ہے بیٹے! مقتضیٰ پر کسی نے قاتلانہ حملہ کروا دیا ہے۔"
"نن۔۔۔ نہیں پاپا! ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ بے اختیار رونے لگی۔
"میرے بچے! رونا نہیں۔ مقتضیٰ کو اس وقت دعاؤں کی ضرورت ہے۔" پاپا نے اسے سینے سے لگا کر تسلی دی۔
اسی شام وہ پاپا اور ساشی ملتان آگئے تھے۔ مقتضیٰ ابھی تک آئی سی یو میں تھا۔ وڈیری اماں اور ممّا دونوں کا رو رو کر برا حال تھا۔ وہ دونوں ہی مقتضیٰ کی سوتیلی مائیں تھیں' اور دونوں ہی اس سے بے تحاشا محبت کرتی تھیں۔
نشق کو دیکھ کر وڈیری اماں نے بانہیں پھیلا دیں۔ وہ ان کی شفیق بانہوں میں سما کر دھواں دھار روتی رہی۔ ڈاکٹرز اندر آپریشن میں مصروف تھے۔ آٹھ گھنٹے بعد ایک ڈاکٹر نے اطلاع دی۔

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل
قیمت =/80 روپے

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لئے .... =/100 روپے
2 بوتلوں کے لئے .... =/180 روپے
3 بوتلوں کے لئے .... =/270 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:
بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

www.pkdigest.com

گولیاں نکال دی ہیں۔ ابھی ہوش میں آنے کا انتظار کیجیے۔ ویسے ان کا بچنا ایک معجزہ ہے۔ خصوصاً ایک گولی تو بالکل گردن کو ٹچ کر کے گزری ہے۔ البتہ آپریشن کامیاب ہو چکا ہے۔"

"اللہ سائیں! تیرا شکر۔" وڈیری اماں فوراً" سجدہ شکر بجالائیں۔ صدقہ کیا گیا۔ خیرات دی گئی۔

پیر شاہ پوتے کی زندگی کی نوید سن کر نوافل کی نیت کر کے سفید میناروں والی مسجد میں اللہ کے حضور کھڑے ہو چکے تھے۔

پورے ڈیڑھ مہینے بعد اسے ڈسچارج کیا گیا تھا۔ ڈاکٹرز اسے بیڈ ریسٹ بتایا تھا اور نشق سارے شکوے گلے اور نفرتیں بھلا کے اس کی خدمت میں مصروف تھی۔ مگر وہ مقتضیٰ سے براہ راست بات نہیں کرتی تھی۔

مقتضیٰ کو وڈیری اماں کے توسط سے نشق کے مس کیرج کا پتا چل گیا تھا۔ نشق اس سے نگاہیں چرائے پھرتی تھی۔ اس دن وہ مقتضیٰ کا پرہیزی ناشتہ لے کر آئی تو وہ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر لجاجت سے بولا۔

"پلیز نشی! کچھ دیر کے لیے بیٹھ جاؤ۔ سارا دن دیواروں کو دیکھ دیکھ کر جی اوب گیا ہے۔"

"یہ میگزین، اخبار اور ٹی وی کس لیے ہے۔" اس نے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ان تینوں چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں اور جس میں دلچسپی ہے وہ ہاتھ نہیں آتی۔"

"آج تو بہت مصروفیت ہے۔ مفرح کے سسرال والے آرہے ہیں۔ اماں کی بھی رات دس بجے کے فلائٹ ہے۔" اس نے اپنی مصروفیت کے بارے میں مقتضیٰ کو آگاہ کیا۔

"ہونہہ بجن کی شادیاں منگنیاں ہونے والی ہیں وہ خود بھگتیں ہمیں کیا۔ تم میرے پاس بیٹھی رہو۔"

"آپ کے خیالات وڈیری اماں تک من و عن پہنچا دیتی ہوں۔" اس مقتضیٰ کو دھمکانا چاہا۔

"اپنے بچے کے بارے میں اتنے خواب دیکھے تھے سب بکھر گئے۔ نہ جانے خوشیاں راس کیوں نہیں آتیں۔ اگر اعلاء کو پسند کر کے اپنانا چاہا تو سارا معاملہ ہی الٹ گیا۔ پھر تم سے اظہار محبت کرنے کی کوشش کی تو تم لڑ جھگڑ کر چلی گئیں۔ سوچا تھا بچے سے ہی دل بہلا لوں گا تو وہ بھی نہیں رہا۔ اپنے تو ستارے ہی ہمیشہ گردش میں رہتے ہیں۔" وہ بڑے جلے بھنے انداز میں کہہ رہا تھا۔ نشق کو ہنسی آگئی تھی۔ وہ اٹھنے لگی تو مقتضیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر روک لیا۔

"مجھے معاف کر دیا ہے تم نے نشق!"

"ایک سو بیس مرتبہ تو جواب دے چکی ہوں۔" نشق زچ ہو اٹھی۔

"کیا؟"

"ہاں ہاں، ہاں۔۔۔" وہ چلائی۔

"اب کوئی بدگمانی کے بادل تو نہیں آئیں گے۔"

"آ بھی سکتے ہیں۔" اس نے ڈرانا چاہا۔

"آئیں گے اور پھر برس کر چلے جائیں گے۔ اس کے بعد مطلع صاف ہو جائے گا۔" وہ سرشاری سے بولا۔ نشق ہنستے ہوئے اٹھ گئی تھی۔ چند دن پہلے وہ نشق کو اپنے ہر راز میں شریک کر چکا تھا۔ ندامت زدہ ماضی اس کے سامنے عیاں کر دیا تھا اور نشق اب خود اعلاء سے معافی مانگنے کا سوچ چکی تھی۔

ایک ہفتہ پہلے وہ وڈیری اماں کی خواہش کے مطابق عشنا سے مقارب کے لیے رضامندی معلوم کرنے ان کے بورشن میں آئی تو عشنا اور پھوپھی صاحبہ پرانے البم نکالے تصویریں دیکھ رہی تھیں۔ ہزیرہ فاطمہ کی آنکھیں نم تھیں اور وہ کسی کی تصویر پکڑے رو رہی تھیں۔

"کیا دیکھ رہی ہیں پھوپھی صاحبہ!"

"آؤ بھرجائی! بیٹھو۔۔۔" عشنا نے فوراً" بستر پر اس کے لیے جگہ بنائی۔ پھر اسے مقتضیٰ کی امی کی اس کے بابا جان کی اور نور النساء کی تصویریں دکھانے لگی۔ ہزیرہ فاطمہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی تصویر غیر محسوس طریقے سے تکیے کے نیچے کھسکا دی۔ مگر نشق ان کی یہ اضطراری حرکت دیکھ چکی تھی۔

"پھوپھی صاحبہ! یہ کس کی تصویر ہے؟"

"کسی کی نہیں۔" وہ گڑبڑا گئی تھیں۔

"مجھے بھی دکھائیں۔" اس نے اصرار کیا۔

"دکھائیں امی! ماموں کا ماضی خدانخواستہ کوئی شرمناک حوالہ نہیں۔ جسے آپ لوگ سب سے چھپاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی پسند سے شادی کی تھی کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ جیسے مقتضیٰ بھایا نے اپنی مرضی سے بھرجائی سے بیاہ کیا ہے اور حدی لالہ نے اعلاء کے ساتھ۔" عشنا کی لہجے میں عجیب سی کاٹ تھی۔

"بکواس مت کرو۔" وہ خفا ہوئیں۔

"دکھا دیجیے پھوپھی صاحبہ! مجھے خوامخواہ تجسس رہے گا۔" نشق بضد ہوئی۔

"یہ میرا سب سے چھوٹا بھائی زوار ہے اور ساتھ میں اس کی بیوی صنم اور یہ بچہ حدی شاہ ہے میرا بھتیجا۔" انہوں نے گویا اعترافِ جرم کیا۔ چھپ چھپ کر بھائی کی تصویریں دیکھ کر روتی تھیں مگر اس کے بیٹے کو کبھی اپنے پیار کا لمس نہیں بخشا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ تو میری گمی کی تصویر ہے۔" نشق ایک دم چیخ کر کھڑی ہو گئی۔ اور ساتھ میرے بابا جان اور یہ میرے لالہ۔ میرے اپنے حدی لالہ۔ اس کی چیخوں پر پورے "قصر مقتضیٰ" کی عورتیں اکٹھی ہو گئی تھیں اور اس انکشاف پر سب دنگ رہ گئے تھے جبکہ پیر شاہ نے نشق کو سینے سے لگا کر اس کا ماتھا چوم کر کہا۔

"تمہاری آنکھوں میں ہمارے بیٹے کا عکس تھا۔ ہم کیسے نہ خون کی کشش کو پہچانتے۔"

"وڈیری اماں! یہ دیکھیے میرے بابا جان کی تصویر۔ اور یہ میرے لالہ ہیں۔ میں ابھی پاپا کو فون کر کے بتاتی ہوں مگر پہلے مقتضیٰ کو تو بتا دوں۔ اللہ جی! تیرا شکر ہے تو نے مجھے بے شناخت نہیں رکھا۔ اللہ جی تیرا شکر ہے۔" وہ قلانچیں بھرتی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

اور اس وقت وہ خسروی کے ہمراہ عالیشان سے اعلاء ہاؤس میں بیٹھی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اور ابھی ابھی وہ بھوری آنکھوں والا بلا کا پرکشش مرد اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر اٹھ کر چلا گیا تھا۔ وہ جو نشق کو سینے سے لگا کر رو تا رہا تھا۔

"دیکھو اعلاء! یہ میری بہن ہے۔ میری ماں جائی، اس دنیا میں میرا واحد سچا اور خالص رشتہ۔۔۔ یہ زوار شاہ کی بیٹی ہے۔ جس کی بھوری آنکھیں دیکھ کر میں پہلی نظر میں چونک گیا تھا۔ یہ کشش یہ اپنائیت تو خون کی تھی۔ دیکھو نشا کو میں یوں خالی ہاتھ نہیں لوٹا سکتا تھا۔ یہ میری بہن نہیں بیٹی ہے۔ یہ میرے علی کی پھوپھو ہے۔ اس کے لیے نشا کے لیے میں اپنے عہد سے پھر رہا ہوں۔ میں نے مقتضیٰ کو معاف کر دیا ہے کیونکہ اب میری بہن کے سر کا سائیں ہے۔ اگر کے ہاتھوں پر اس کے نام کی مہندی نہ لگی ہوتی تو میں ایک مرتبہ پھر اس پر قاتلانہ حملہ کرواتا۔ بار بار کرواتا، یہاں تک کہ اس کا دل لرز اٹھتا۔ کانپ اٹھتا اور وہ جان جاتا کہ کالی چوڑیوں والے ہاتھ ہماری بہنوں کے بھی ہو سکتے ہیں۔ بیٹیوں کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ کالی چوڑیاں بانہوں میں سجی اچھی لگتی ہیں۔ ان کی ناقدری نہ کرو۔ انہیں بے قیمت نہ کرو۔ انہیں ریزہ ریزہ نہ کرو۔

عورت کے سر سے چادر اتار دو تو وہ بے پردہ ہو جاتی ہے۔ عورت کو اغوا کر لو تو وہ رسوا ہو جاتی ہے۔ چاہے سر سے لے کر پیر تک پاک ہی کیوں نہ ہو۔ معاشرہ اسے نہ عزت دے سکتا ہے نہ مقام تو محبت کا سوال ہی نہیں۔" حدی شاہ کی آنکھ میں ایک آنسو اتر آیا۔

"اور تمہیں تو سات خون معاف مقتضیٰ شاہ کہ تم میری نشق کے "سہاگ" ہو۔" وہ تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا تھا اور اعلاء پورے دل سے مسکرا کر نشق کی طرف متوجہ ہو گئی۔

www.pkdigest.com